ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

6

www.tanzeem.org

7 تا 13 فروری 2012ء / 14 تا 20 ربیع الاوّل 1433ھ

حبِّ رسولؐ کے تقاضے

حضور ﷺ کی محبت اور حضورؐ کے اتباع کا پہلا نتیجہ یہ نکلنا چاہئے کہ ہماری زندگی کا مقصد وہی ہو جائے جو آپؐ کی بعثت کا مقصد ہے۔ باقی تمام چیزیں اس کے تابع ہو جائیں۔ اگر مقصد یہ نہیں ہے تو پھر نقشہ ہی جدا ہو گیا۔ ہم نے زندگی کے بعض گوشوں میں حضورؐ کی پیروی کر لی' مثلاً حضورؐ کے لباس کی' وضع قطع کی' آپؐ کے روزانہ کے معمولات کی پیروی کر لی تو اپنی جگہ ہر چیز مبارک ہے۔ لیکن بحیثیت مجموعی حضور ﷺ نے اپنی زندگی کی جدوجہد کا جو رخ معین فرمایا، وہ اگر ہم نے اختیار کیا تو ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں اتباع نتیجہ خیز نہیں ہو گا۔ جیسے کہ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے ﴿وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ "ہر شخص کے سامنے کوئی ہدف ہے' کوئی مقصد ہے' جس کی طرف وہ بڑھ رہا ہے۔" تو پہلی چیز جو حضور ﷺ کی محبت کے تقاضا کے طور پر سامنے آئے گی وہ یہ ہے کہ ہمارا ہدف بھی وہی ہو جائے جو حضور ﷺ کا تھا۔ اس وقت اس ہدف کے لفظ سے بے اختیار میرا ذہن علامہ اقبال مرحوم کے اس مصرع کی طرف منتقل ہوا کہ ع "آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف" ...... تیر انداز پہلے تو اپنا ایک نشانہ مقرر کرتا ہے کہ میں نے تیر مارنا کہاں ہے! پھر اس کی قوت روبعمل آتی ہے۔ وہ جتنے زور کے ساتھ کمان کو کھینچ سکے گا' اسی زور سے وہ تیر اپنے ہدف کی طرف جائے گا۔ علامہ نے اس مصرع میں دو چیزیں جمع کر دیں...... کسی تیر انداز کی جدوجہد کے ضائع اور بے نتیجہ ہونے میں دو عوامل شامل ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ ہدف معین نہیں۔ دوسرا یہ کہ کمان کو نیم دلانہ اور پوری قوت سے کھینچا نہیں گیا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ کوئی تیر ادھر کو چلا گیا' کوئی ادھر کو چلا گیا۔ ضروری ہو گا کہ ہدف بھی صحیح معین ہو اور پھر پوری قوت کے ساتھ تیر چلا کر اس ٹارگٹ کو Hit کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی تو تیر بے کار جائے گا۔ حبِ رسولؐ کا پہلا تقاضا ہے اتباعِ رسول۔ اس اتباعِ رسولؐ کی پہلی منزل کیا ہو گی؟ یہ کہ ہر مسلمان شعوری طور پر اپنی زندگی کا ہدف معین کر لے کہ میری زندگی کا مقصد' میری زندگی کا ہدف' میری بھاگ دوڑ کی منزلِ مقصود وہی ہے جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تھی اور وہ ہے اللہ کے دین کا غلبہ...... اسے ملک نصر اللہ عزیز مرحوم نے ایک بڑے سادے انداز میں شعر کا جامہ پہنایا ہے کہ ؎

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

حب رسولؐ کے تقاضے
ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں!

مکمل سماجی اور قانونی مساوات

دفاع پاکستان کا اصل راستہ

کامیاب ترین انسان ﷺ

اے پاک وطن!
تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

بس' خلافت نامنظور!

ہم سچے اُمتی کیوں کر بن سکتے ہیں؟

قابل اعتراض کنسرٹس کے حامی
اور
عاشقان زرداری فورس کے پیادے

سورۃ ہود

(آیات 25تا28)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢٥ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ
اَلِيْمٍ ۝٢٦ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا
بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝٢٧ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ
رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝٢٨

’’اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو (انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے (اور یہ پیغام پہنچانے) آیا ہوں۔ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تعمق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف دلیل (روشن) رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر سکتے ہیں؟ اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔‘‘

یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت حق پیش کرنے اور قوم کے اُسے ٹھکرانے کا بیان ہے۔ حضرت نوحؑ نے جب قوم کو دعوت پیش کی اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پوجو ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک بڑا عذاب آ جائے گا، تو ان کی قوم کے ان سرداروں نے کہا کہ اے نوحؑ، ہم تو آپ کو اپنے ہی جیسا ایک انسان دیکھتے ہیں۔ آپ کہاں سے اللہ کے رسول بن گئے۔ اللہ نے ہم جیسے انسان کو کیسے چن لیا۔ یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آپ کی پیروی کرنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ہماری نگاہوں میں معاشرے کے گئے گزرے، ذلیل، کمینے اور چھوٹے لوگ ہیں۔ بلا تامل نظر آ رہا ہے کہ کچھ کمی کاری لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے ہیں۔ کوئی معقول آدمی، قوم کے سرداروں میں سے کوئی شخص آپ کے گرد آیا ہی نہیں اور ہمیں نظر نہیں آتا کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہمارے اوپر کوئی فضیلت حاصل ہو، بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس دل گرفتہ جواب پر انہوں نے قوم سے کہا: ذرا غور کرو، دیکھو تو میں پہلے سے ہی اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا۔ تم جانتے ہو، میں نے اپنی زندگی تمہارے درمیان ایک شریف النفس انسان کے طور پر گزاری۔ میرا کردار اور اخلاق تمہارے سامنے تھا۔ میری فطرت سلیم تھی اور پھر اللہ نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بھی عنایت فرما دی یعنی جو وحی مجھ پر آئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور یہ وہ چیز ہے جس کو تمہاری آنکھوں سے مخفی رکھا ہے۔ میرے پاس وحی آتی ہے، فرشتہ آتا ہے۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے لیکن یہ چیز تم سے چھپا کر رکھی گئی ہے۔ بہر حال اگر آپ لوگوں کو یہ بات پسند نہیں، اگر تم اس چیز سے بے زار ہو تو یہ اختیار ہمارے پاس نہیں ہے کہ ہم زبردستی تمہیں ان باتوں کا قائل کر لیں اور یہ باتیں لازماً آپ پر تھوپ دیں۔

فرمان نبویؐ

پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

معمولی باتوں کے بھاری نتائج

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : ((اِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَرْفَعُهُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَاِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ)) (صحیح بخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’بے شک آدمی (بعض اوقات) ایسی بات کرتا ہے، جس سے اللہ راضی ہوتا ہے۔ (اور متکلم) اس بات کی شان کو نہیں جانتا۔ (یعنی معمولی سمجھتا ہے۔ پر) اللہ تعالیٰ اس بات کے سبب اس کو بڑے مرتبے عطا کرتا ہے اور بے شک آدمی (بعض اوقات) ایسی بات کرتا ہے جس سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔ (اور متکلم) اس بات کو کچھ اہمیت نہیں دیتا۔ (معمولی جانتا ہے۔ لیکن) اسی ایک بات پر دوزخ میں جا گرتا ہے۔‘‘

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان' نظامِ خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

بانی: اقتدار احمد مرحوم

7 تا 13 فروری 2012ء — جلد 21
14 تا 20 ربیع الاوّل 1433ھ — شمارہ 06

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد' طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36366638-36316638 فیکس: 36271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا-------------------(2000 روپے)
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں!

کس ہستی کو اللہ ربّ العزت کی تخلیق کا ذروۂ سنام قرار دیا جا سکتا ہے؟ بندگی کی معراج پر کون ہے؟ حُسنِ خُلق کی انتہا کون ہے؟ کائنات میں بے مثل کون ہے؟ حکمت اور دانائی کے بلند ترین مقام پر کون فائز تھا اور ہے؟ کس کی رسائی وہاں تک ہوئی جہاں پہ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں؟ آدم و حوا کی اولاد میں سے وہ واحد ہستی کون سی ہے جس کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' کھانا پینا' سونا جاگنا' دیکھنا سننا' رہنا سہنا اور پہننا اتارنا تاریخ نے مقدس امانت کے طور پر محفوظ کر لیا؟ وہ کون ہے جس کی تجارت دیانت کی علامت تھی؟ وہ کون سی ہستی تھی جس کی امانت داری کی قسم اُس کی جان کے دشمن بھی کھاتے تھے؟ غریب کی پشت پناہی' یتیم کی سرپرستی' بچوں سے شفقت' بڑوں کے عزت و احترام' بیمار کی تیمارداری میں کون انسانوں میں سرفہرست ہے؟ عورتوں کے حقوق اور غلاموں سے اچھے سلوک کا دنیا میں مبلغِ اعظم کون ہے؟ عہد نبھانا' وعدہ وفا کرنا دنیا کو کس نے سکھایا؟ وہ کون سی ہستی ہے جس کی زبان پر صرف حق جاری ہوتا اور جس سے صرف عدل کا صدور ہوتا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس نے بادشاہی میں فقیری کی؟ کسے جدید دور کے محققین نے تاریخ کا دھارا موڑ دینے والوں میں سے سرفہرست قرار دیا' یعنی عظیم ترین انقلابی تسلیم کیا؟ ایک مسلمان کے لیے اِس پرچۂ سوالات کا جواب دینا آسان ترین کام ہے' جس کے لیے ایک لمحہ بھی سوچ بچار کی ضرورت نہیں۔ یقیناً یہ وہی ہستی ہے جس پر کائنات کے خالق و مالک نے خود درود و سلام بھیجا! کائنات کی اِس عظیم ترین ہستی کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ہم نے اگرچہ قلم اُٹھایا ہے لیکن ایک بزرگ کی زبان سے یہ سن کر قلم تھر تھر کانپ رہا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان دنیا کی کسی بھی زبان میں آپ ﷺ کی ثنا خوانی کرے' آپ ﷺ کے صفات و کمالات بیان کرے' ممکن نہیں کہ اس کا حق ادا کر سکے' کیونکہ شدید خطرہ لاحق رہتا ہے کہ انسان کی محدود سوچ اور تحریر و تقریر کی محدود صلاحیت سے کہیں کوئی توہین کا پہلو نہ نکل آئے۔ ہماری رائے میں یہ بات بالکل درست ہے' اس لیے کہ غالب جیسا زبان دان اور قادر الکلام یہ کہہ کر ہتھیار ڈال دیتا ہے کہ ؎

غالب ثنائے خواجہ بیزداں گزاشتیم
کآں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اور ہم شاعر کے اِس خیال سے بھی صد فی صد اتفاق کرتے ہیں ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

بہر حال کس شجر کی شاخ سے بنے گا وہ قلم اور کسے میسر آئے گی وہ زبان جو آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا احاطہ کر سکے! اپنے مشن سے لگن' حُسنِ اخلاق کی انتہا' عجز و انکساری کا عدیم المثال مظاہرہ اور عفو و درگزر کی صرف ایک ایک مثال عرض کیے دیتے ہیں۔ طائف میں سخت ترین دن گزار کر خون آلود نعلین کو بمشکل پاؤں سے الگ کرتے ہوئے اِس خواہش کا سامنے آنا کہ یہ بستی تباہ نہ ہو' شاید یہاں دین کا کوئی خادم پیدا ہو جائے۔ کوڑا کرکٹ پھینکنے والی بڑھیا کی مزاج پرسی کے لیے تشریف لے جانا کہ وہ آج اپنا عمل کیوں نہ دہرا سکی۔ فتح مکہ پر عاجزی سے سر کو اتنا جھکا لینا کہ وہ اونٹ کی گردن چھونا چاہے' اور اپنے خون کے پیاسوں اور بدترین دشمنوں کو عام معافی دینا کتنا حسین اُسوہ تھا محبوبِ ربانی کا! کسی ہفت روزہ کا ڈیڑھ دو صفحہ کا بے چارہ اداریہ کس کس ادا کا احاطہ کرے گا؟ درحقیقت یہ ہے وہ انسانیت' یہ ہے وہ بشریت' جس کے آگے فرشتوں کے پاس سجدہ کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا' اگرچہ یہ اللہ ربّ العزت کے حکم سے ہوا' یہ اُسی کے بس کی بات ہے کہ وہ الحکیم العلیم اور العزیز بھی تو ہے۔

اس بزرگ کہ اس صحیح انتباہ کے باوجود سمندر میں پانی کا ایک قطرہ مزید ڈالنے کی کوشش اس لیے کرنی چاہیے تاکہ آئندہ نسلوں کو کچھ نہ کچھ آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ پھر یہ کہ اس حوالہ سے تحریر وتقریر کے بعد اس پناہ گاہ میں پناہ حاصل کر لینی چاہیے کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

لیکن اُمت مسلمہ کا المیہ یہ ہے کہ جس طرح ہم قرآن مجید کو چومنے چاٹنے‘ اسے ریشمی غلاف میں لپیٹ کر اونچا رکھنے اور زیادہ سے زیادہ محض اس کی ناظرہ تلاوت کرنے کو اپنا کل دینی فریضہ سمجھتے ہیں‘ اسی طرح حضورﷺ کی ثناخوانی اور نعت گوئی کے بعد مطمئن ہو جاتے ہیں کہ بحیثیت اُمتی حق ادا ہو گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم اللہ کی کتاب کی تکریم کے باوجود اس کو کتابِ ہدایت نہ سمجھیں‘ اسے اپنا امام نہ بنائیں‘ اس کے اوامر ونواہی کا خود کو پابند نہ بنائیں اور اسی طرح حضورﷺ کی ثناخوانی تو کریں لیکن سنتِ رسولؐ پر عمل پیرا ہونے سے گریز کریں‘ آپﷺ کے مشن کو اپنا مشن نہ بنائیں‘ تو کیا ہم اللہ اور رسول کو راضی کر سکیں گے؟ بلکہ یہ کہہ دینے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کیا اللہ کے غضب سے بچ سکیں گے اور رسول اللہﷺ کی شفاعت کے حق دار قرار پا سکیں گے؟ بلاتشبیہہ عرض کیے دیتے ہیں کہ حضورﷺ کی ذات تو بڑی اعلیٰ وارفع ہے‘ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! کیا ایک عام شریف النفس انسان بھی پسند کرے گا کہ کوئی اس کی تعریف وتوصیف تو بہت کرے لیکن طرزِ زندگی بالکل مختلف رکھے‘ اس کی پسند اور ناپسند کا قطعی کوئی لحاظ نہ کرے اور خود کو اس کی تعلیمات کا پابند نہ سمجھے؟ جس ذات کے بارے میں خالق کائنات اور مالک ارض وسما کا یہ ارشاد ہو: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ وہ انسانوں کی تعریف وتوصیف کا محتاج نہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے اور نجات اس میں مضمر ہے کہ زبان درود وثنا سے تر ہو اور انسان ہر عمل سے پہلے دیکھے کہ نبی مکرمﷺ کی سنت کیا ہے‘ حدیثِ رسولؐ کیا ہے؟ باقی سب ہیچ ہے۔

آج اُمت مسلمہ خصوصاً ہم پاکستانی ایسے نظام میں جکڑے گئے ہیں جو استحصالی ہے۔ استعمار کے ایجنٹوں نے انسانوں کی گردنوں پر پنجے گاڑے ہوئے ہیں۔ اس باطل نظام نے انسان کے منہ کو انسان کا خون لگا دیا ہے۔ لہٰذا سیاسی سطح پر ظلم ہے‘ جبر ہے‘ درندگی اور بربریت ہے۔ معاشی سطح پر انسان کا استحصال ہے اور سرمایہ دار کی لوٹ مار ہے۔ معاشرتی سطح پر عدم مساوات ہے‘ عریانی اور بے حیائی ہے۔ جبکہ قرآن نے انسان کو جو عدل وقسط پر مبنی نظام دیا‘ جسے حضورﷺ نے اپنے صحابہ ؓ کی مدد سے قائم ونافذ کیا تھا‘ وہ عملاً آج قریباً متروک ہو چکا ہے۔ اب اگر آج کوئی نعت خوان کسی ظالم وجابر اور فاسق وفاجر حاکم کے مرمریں محل میں نعتِ رسولﷺ پیش کرے اور داد پائے تو اگرچہ ہم فتویٰ دینے کی پوزیشن میں نہیں لیکن عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ ہم سمجھیں کہ یہ دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔ ہمارا اوّلین فریضہ یہ ہے کہ ہم عدل وقسط پر مبنی اس نظام کو قائم کرنے کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں جس کی خاطر آپﷺ مکہ کی گلیوں میں کانٹوں پر چلے‘ طائف میں سنگ باری برداشت کی‘ حرم میں اونٹ کی اوجھڑی تلے دبے‘ اُحد میں دندانِ مبارک شہید کروائے اور غزوۂ احزاب کے موقع پر پیٹ پر دو دو پتھر باندھے۔ آئیے سیرتِ مبارکہ کے اس حصہ پر غور کریں اور سنتِ رسولﷺ کو اپنا کر اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم کریں اور دنیا کو جنت نظیر بنائیں۔ تب ارض وسما میں یہ صدا گونجے گی ؎

یہ جہاں چیز ہے کیا‘ لوح وقلم تیرے ہیں!

بیابہ مجلس اسرار

مکمل سماجی اور قانونی مساوات

نظامِ خلافت میں کامل انسانی مساوات کا تصور کارفرما ہوگا۔

تمام انسان برابر سمجھے جائیں گے، نہ کوئی اونچا ہوگا اور نہ کوئی نیچا۔ اسلامی معاشرے میں کوئی سید اونچا اور مصلی نیچا نہیں۔ ایسے تمام تصورات کو ختم کرنا ہوگا اور ان کی جڑیں کھودنا ہوں گی، اس لیے کہ اسلام میں اونچ نیچ کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت بلال حبشیؓ کو سیدنا بلال کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

اسی طرح قانون کی نظر میں سب لوگ برابر ہوں گے۔ اسلام کے عدالتی نظام میں یہ تصور موجود نہیں ہے کہ سربراہ مملکت یا خلیفۂ وقت عدالت میں حاضری سے مستثنیٰ ہے۔ یہ تو خیر اتنی انہونی بات نہیں ہے۔ لیکن نظام خلافت میں دنیا نے یہ بھی دیکھا کہ مطلوبہ گواہوں کی عدم دستیابی کے باعث خود خلیفۂ وقت کا مقدمہ عدالت سے خارج کر دیا گیا تھا۔ حضرت علیؓ کا مقدمہ قاضی شریحؒ کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا اور یہ مقدمہ اس لیے خارج ہو گیا تھا کہ حضرت علیؓ کے پاس غلام اور بیٹے کی گواہی کے علاوہ کوئی دوسری شہادت موجود نہ تھی، اور یہ شہادتیں اسلام کے قانونِ شہادت کے مطابق قابل قبول نہ تھیں۔ لہٰذا مقدمہ خارج ہو گیا۔ اسلام کے اس قدر بے لاگ انصاف کو دیکھ کر شریک مقدمہ یہودی اسلام لے آیا۔ چنانچہ سربراہِ مملکت کو حاصل خصوصی تحفظات ہوں یا ممبرانِ اسمبلی کا استحقاق ہو، یہ سب غیر اسلامی چیزیں ہیں۔ اسلام میں خلیفہ کو بھی کوئی خصوصی تحفظ یا مقامِ امتیاز حاصل نہیں ہے۔

البتہ اگر یہ ضرورت محسوس ہو کہ کہیں بدمعاش قسم کے لوگ ہر وقت خلیفہ کو مقدمے بازی ہی میں نہ پھنسائے رکھیں تو سدباب بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس معاملے میں حدِ قذف پر قیاس کرتے ہوئے اس طرح حل نکالا جا سکتا ہے کہ خلیفۂ وقت پر جھوٹا اور غلط مقدمہ دائر کرنے والے شخص کو بھی سزا دینے کا قانون بنا دیا جائے۔

دفاعِ پاکستان کا اصل راستہ

سورۃ الحج کی آیات 38 تا 41 کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی محترم **حافظ عاکف سعید** حفظہ اللہ کے 27 جنوری 2012ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

[آیت قرآنی کی تلاوت اور خطبۂ مسنونہ کے بعد]

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورۃ الحج کی چند آیات (38 تا 41) تلاوت کی ہیں۔ ان آیات کا انتخاب کیوں کیا گیا، اس کا ایک پس منظر ہے، پہلے اسے بیان کردوں۔ قرآن کریم نے واضح کر دیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین اسلام کے دشمن ہیں۔ شیطان ان کے ساتھ ہے، جسے اللہ نے قیامت تک مہلت دے رکھی ہے۔ اس وقت شیطان کی ذریت اس قدر پھیل چکی ہے کہ اس کے ایجنڈے کو انسانوں نے خود اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کا نعرہ کیا ہے؟ یہ زمین پر شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کا منصوبہ ہے۔ شیطانی قوتیں اس منصوبے کو آگے بڑھانے کے لیے تمام تر حربے استعمال کر رہی ہے۔ ٹیکنالوجی کے اعتبار سے وہ اوج ثریا پر پہنچ چکی ہیں۔ ابتدا اسلام ہی میں قرآن مجید نے فرما دیا تھا کہ یہود کی چالیں اور سازشیں ایسی ہیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں۔ تم ان کو معمولی نہ سمجھنا، ان سے بہت ہوشیار رہنا۔ جس دور میں نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، یہود نصاریٰ کی تعذیب و تشدد کا شکار تھے جو وقت کی دو بڑی طاقتوں میں سے ایک تھے۔ سلطنت روما پر اُن کی حکمرانی تھی۔ اس کے باوجود یہود ہی مسلمان دشمنی میں سب سے بڑھ کر تھے۔ اُس وقت بھی اسلام کا اصل مقابلہ یہود سے تھا۔ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہتے تھے۔ رہی بات مشرکین مکہ کی وہ تو پہلے ہی اسلام کے دشمن تھے۔ وہ تو حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں کے خون کے پیاسے تھے۔ اگر ہم عالمی منظر نامے پر نگاہ ڈالیں، تو صاف نظر آتا ہے کہ آج بھی یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کا اتحاد ثلاثہ اُمت مسلمہ بالخصوص پاکستان کے خلاف خوفناک سازشوں میں مصروف ہے۔ ان تینوں میں اسلام دشمنی میں پیش پیش یہودی اور پھر مشرکین ہیں۔ عیسائی یہودیوں کے تابع ہیں۔ یہودی اگرچہ دنیا میں محض لاکھوں میں ہیں، اسرائیل کی ریاست بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہے، لیکن اُن کا پوری دنیا پر کنٹرول ہے۔ انہوں نے دنیا کو معاشی شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ وقت کی سپریم پاور آن ارتھ امریکہ سمیت پوری عیسائی دنیا اور عالمی اداروں کو انہوں نے اپنے قبضے میں لیا ہوا ہے۔ امریکہ نے تو اپنی لگام پورے طور پر یہود کے ہاتھ میں دی ہوئی ہے۔ وہ یہودیوں کی ڈکٹیشن سے ذرا بھی ادھر ادھر ہوا تو اُس کی معاشی موت موقع ہو جائے گی۔ باراک اوباما عسکری اور معاشی پالیسیوں میں تبدیلی کے دعوؤں کے ساتھ آئے تھے، مگر وہ اپنے دعوؤں کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہو گئے۔ دفاع کے حوالے سے انہوں نے ساری ٹیم وہی رکھی جو بش کی تھی۔ حالانکہ آنے سے پہلے وہ اس پر تنقید کر رہے تھے۔ بہرکیف ایسے حالات میں جبکہ یہود و نصاریٰ اور ہنود تینوں مل کر پاکستان کے گرد گھیرا تنگ کر رہے ہیں، اہم ترین سوال یہ ہے کہ پاکستان کا دفاع کیسے ہوگا؟ دفاع پاکستان کونسل کے قیام کی ضرورت بھی اسی لیے پیش آئی کہ صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ اتحاد ثلاثہ ہمارے وجود کو مٹانے کے درپے ہے۔ ہم نے یہود و نصاریٰ کے ساتھ پورے طور پر ہم آہنگ ہو کر اور ان کے غلام بن کر دیکھ لیا۔ اُن کی ہاں میں ہاں ملائی۔ اُن کے فرنٹ لائن اتحادی بن گئے۔ اُن کے کہنے پر اپنے تمام مفادات کو قربان کیا۔ اپنے دین سے اعلان براءت کیا۔ سچے مسلمانوں کی گردنیں کاٹیں۔ بے گناہوں کا خون کیا۔ یہ سب کچھ کیا، لیکن پھر بھی ہماری جان بخشی نہیں ہو رہی، ہم بظاہر امریکہ کے فرنٹ لائن اتحادی اس لیے بنے تھے کہ وہ انڈیا کے مقابلے میں ہمیں زیادہ مقام دے گا اور ہماری اہمیت پوری دنیا اور امریکہ کی نگاہ میں پہلے سے زیادہ بڑھ جائے گی۔ لیکن اب ثابت ہو گیا ہے کہ یہ بزدلانہ پالیسی اور احمقانہ خیال سراسر غلط تھا۔ صاف نظر آ گیا ہے کہ امریکہ نے اپنی توپوں کا رخ ہماری طرف کر دیا ہے۔ اُس نے ہماری ساری ''قربانیاں'' نظر انداز کر دی ہیں، وہ ''قربانیاں'' کہ جو حقیقت میں نہایت ہی شرمناک ہیں۔ ہماری امریکہ سے تمام تر وفاداریوں (حقیقت میں دین سے غداریوں) کے باوجود ہمیں اپنے دفاع اور سلامتی کا چیلنج درپیش ہے۔ تھوڑا سا بھی سٹینڈ لیتے ہیں تو مصیبت گلے پڑ جاتی ہے۔ ہماری معاشی حالت اتنی کمزور ہے کہ اگر امریکہ سے ''امداد'' نہ آئے تو فوج صفر ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں سے ایف 16 کے پرزے نہ ملیں تو ہم کدھر جائیں گے۔ بہرکیف یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہود و نصاریٰ ہمارے سب سے بڑے دشمن ہیں، جیسا کہ چودہ سو سال پہلے قرآن نے کہا تھا۔ ایسے میں سوچنے کی بات یہ ہے کہ آیا ہمارے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ ہے یا نہیں۔ یقیناً راستہ ہے۔ یہ راستہ کون سا ہے، اِسی کی وضاحت تلاوت کردہ آیات میں ہو رہی ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾

''اللہ تو مومنوں سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے۔''

اہل ایمان کا دفاع اللہ کے ذمے ہے۔ وہ خود دشمنوں سے مسلمانوں کی حفاظت کرے گا۔ پھر تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہونا چاہیے۔ پھر پریشانی کیسی؟ جبکہ اللہ نے کہہ دیا ہے کہ میں خود تمہارا دفاع کروں گا۔ یہ تو بہت بڑی بشارت ہے۔ لیکن جو بات سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ یہ دفاع تب کرے گا جب ہم واقعی ایمان کے راستے پر چلیں اور اُس کے دین سے وفاداری کریں گے۔ سورۃ الحج اُن سورتوں میں سے ہے جن کے بارے میں مفسرین میں کچھ اختلاف ہے کہ یہ مکی سورت ہے یا مدنی۔ اِس میں ایک بیچ کی رائے وہ بھی ہے جو والد محترمؒ کے خیال میں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہ سورت نہ تو مکی ہے اور نہ مدنی ہے، بلکہ یہ اثنائے سفر ہجرت میں نازل ہوئی۔ چنانچہ اُس کا جو عام اسلوب ہے، وہ مکی ہے۔ اِس کے عام مضامین بھی مکی ہیں۔ لیکن یہاں جو جہاد و قتال کی اجازت دی جا رہی ہے، اِس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکی سورت نہیں ہوسکتی، کیونکہ مکہ میں تو حکم تھا کہ ﴿كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ﴾ ''اپنے ہاتھ باندھے رکھو۔''
بہرکیف اِس آیت میں فرمایا کہ کفار تو اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش کریں گے، لیکن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی طرف سے دفاع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نصرت اور مدد پر قادر ہے۔ اگرچہ مسلمان ابھی کمزور ہیں، اوس اور خزرج کے ایمان لانے سے اِن کی قوت کچھ بڑھ جانے کے باوجود اب بھی عددی اعتبار سے قریش مکہ ایک بڑی قوت ہیں۔ مگر پھر بھی اللہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور پورے عرب کی مخالفت کے باوجود کفار ہی کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آگے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٨﴾﴾

''بے شک اللہ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔''

جب یہ آیات نازل ہو رہی تھیں، اُس وقت دغاباز، خائن اور ناشکرے کون تھے؟ یہ ایک تو قریش مکہ تھے، جو حضور ﷺ کی مخالفت اور صحابہ کرام ؓ پر تشدد کر رہے تھے۔ انہوں نے اہل اسلام کی مخالفت کی انتہا کر دی تھی۔ اُن کی ناشکری یہ تھی کہ اللہ نے اپنے گھر کی بدولت انہیں سہولتیں عطا کی تھیں، مگر وہ خیانت کر رہے تھے۔ وہ دل سے مانتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ جو دعوت پیش کر رہے ہیں، وہ حق ہے۔ وہ قرآن کے چیلنج کے مطابق قرآن کے مقابل کلام بھی نہ بنا سکے، مگر بددیانتی کا یہ عالم تھا کہ پھر بھی کہتے تھے کہ یہ محمد (ﷺ) کا کلام ہے۔ دوسرے بددیانت اور ناشکرے وہ تھے جن سے اب مدینہ میں مسلمانوں کو سابقہ پڑنے والا تھا، یعنی یہود۔ وہ انبیاء کی اولاد تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا کی تھی، مگر انہوں نے ناشکری کی کہ راہ ہدایت کو چھوڑ کر شیطان کا راستہ اختیار کیا۔ یہ خائن اور ناشکرے اگر دنیا میں پھل پھول رہے تھے تو اِس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ کو پسند ہیں بلکہ اللہ انہیں سخت ناپسند کرتا ہے۔ اللہ اُن کے مقابلے میں سچے اہل ایمان ہی کی مدد کرے گا۔ اللہ کی نصرت آج بھی اہل ایمان کے لیے ہے، مگر اِس لیے ایمان ہونا ضروری ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ہمیں بحیثیت قوم اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم صحیح معنوں میں اہل ایمان میں شامل ہیں یا پھر اللہ کے دشمنوں دغابازوں اور ناشکروں کی صف میں کھڑے ہیں۔ یہ طے کرنا ہوگا کہ ہم کس کے ساتھ ہیں؟ اہل ایمان کے ساتھ جن کا تذکرہ ہو رہا ہے، جو اللہ کی توحید کا اعلان کرنے والے اور رب کے سچے وفادار تھے اور اُس کے راستے میں ہر قسم کی تعذیب و تشدد برداشت کرتے تھے یا پھر یہود و نصاریٰ کے ساتھ جنہیں اللہ نے کتابیں اور شریعت عطا کی تھی مگر انہوں نے اللہ کے دین سے خیانت اور اُس کی ناشکری کی۔ اللہ ایسے لوگوں کی مدد نہیں کرتا۔ آج نوع انسانی میں سب سے بڑا خائن عیسائی امریکہ ہے، اگرچہ اُس کی پشت پر یہود ہیں۔ امریکہ نے نائن الیون کی آڑ میں افغانستان پر حملہ کیا۔ القاعدہ پر الزام لگایا گیا کہ وہ نائن الیون کے حملوں میں ملوث ہے اور طالبان اس کام میں اُن کے حمایتی ہیں۔ حالانکہ یہ خود یہود اور امریکیوں کا سٹیج کردہ ڈراما تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ طالبان تو درکنار آج تک القاعدہ پر بھی کوئی جرم ثابت نہ کر سکا۔ بعدازاں امریکہ نے عراق میں مہلک ہتھیاروں کی موجودگی کا بھونڈا الزام لگا کر حملہ کیا اور جھوٹ اور دغابازی کی انتہا کر دی۔ یہود و نصاریٰ ناشکرے بھی ہیں۔ اِس لیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت سے نوازا، تورات اور انجیل عطا کیں، مگر وہ پھر بھی شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ بنے اور اللہ کے سچے دین اسلام کے سب سے بڑے مخالف بن کر کھڑے ہوگئے، اور اسلام کو مٹانے کے لیے ایک بار پھر ماضی کی طرح صلیبی جنگ شروع کر دی۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ ساتھ ہم بھی دغاباز واقع ہوئے ہیں کہ اُن کی صلیبی جنگ میں اُن کے فرنٹ لائن اتحادی بن گئے۔ ایسے میں یہ سوال معنویت سے خالی ہے کہ اللہ کی مدد کیوں نہیں آتی۔ اگر ہم فی الواقع مومن ہوں تو پھر یہ کوئی مسئلہ نہیں ہونا چاہیے کہ پاکستان کا دفاع کیسے کریں، اللہ خود ہمارا دفاع کرے گا۔ اُس کا یہ وعدہ ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ہم نے اُس کو واقعتاً بڑا سمجھا ہو، اُس کو اپنا آقا اور رب مانا ہو، اُس کے دین سے وفاداری کی ہو۔ یاد رکھیے، اگر ہم اسلام دشمنوں کے فرنٹ لائن اتحادی بنے رہے اور دین سے بے وفائی اور غداری کا سلسلہ ختم نہ کیا تو پھر چاہے ہزار دفاع پاکستان کونسلیں بنالیں اور پورا پاکستان بھی ان میں شریک ہو جائے اور ہم روایتی اور جدید ہتھیاروں کے انبار لگالیں، پاکستان کا دفاع نہیں ہو سکے گا۔

آگے فرمایا:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿٣٩﴾﴾

''جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے ان کو اجازت ہے (کہ وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد کرے گا وہ) یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔''

مکہ میں مسلمانوں کو اپنے دفاع میں بھی کوئی اقدام کرنے کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اُن کے ہاتھ باندھ دیے گئے تھے، لیکن اب یہاں قتال کی اجازت دی جا رہی ہے کہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ انہیں طرح طرح کی ایذائیں دی گئی ہیں۔ اُن پر بے پناہ تشدد کیا گیا ہے۔ لہٰذا اب اُن کے ہاتھ کھولے جا رہے ہیں کہ وہ کفار کا بھرپور مقابلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مدد کرے گا۔ وہ اُن کی نصرت پر قادر ہے۔ وہ پہلے بھی اُن کی مدد کر سکتا تھا، مگر وہ اُن کا امتحان لے رہا تھا۔

آگے فرمایا:

﴿الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ﴾

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔''

یہ کون لوگ ہیں جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ اِن کا قصور کیا ہے۔ یہ وہ صادق الایمان لوگ ہیں جنہیں ناحق اُن کے گھروں سے نکالا گیا۔ اِس کا مصداق اولین مکہ کے مسلمان تھے جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھی تھے اور جو کفار کی سختیوں کی وجہ سے ہجرت پر مجبور ہوئے۔ اُن کا جرم کیا تھا؟ یہی کہ انہوں نے نعرۂ توحید بلند کیا اور تکبیرِ رب کا اعلان کیا تھا کہ ہمارا رب ایک اللہ ہے۔ اِس کی پاداش میں اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ آج کے دور میں اِس آیت کا مصداق طالبان افغانستان ہیں۔ اُن پر بھی ظلم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ ساری دنیا اکٹھی ہو کر اُن پر حملہ آور ہوئی۔ اُن کو مٹانے کے لیے اُن پر آتشیں ہتھیار استعمال کیے گئے۔ ڈیزی کٹر بموں کی بارش کی گئی، جس کے نتیجے ہزاروں بچے اور خواتین بھی شہید ہوگئیں۔ طالبان کا بھی جرم یہی تھا کہ انہوں نے اللہ کی کبریائی کا اعلان کیا تھا اور امریکہ کو نہیں، ایک اللہ کو رب مانا تھا۔ انہوں

نے رب کی دھرتی پر رب کا نظام قائم کیا تھا اور اپنے قول و عمل دونوں سے یہ گواہی دی تھی کہ اللہ کی عطا کردہ شریعت ہی ہمارا قانون ہوگا۔ نائن الیون تو ایک بہانہ تھا، ورنہ اس سے بہت پہلے نفاذ شریعت کے ''جرم'' کی پاداش میں طالبان پر حملہ کا فیصلہ کرلیا گیا تھا۔ ابلیس کے ایجنٹ یہ کیسے گوارا کرسکتے تھے کہ دنیا میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو۔ طالبان نے شریعت نافذ کی تھی، جس کی برکات ظاہر ہورہی تھیں۔ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کے ایک حکم پر پوست کی کاشت ختم ہوگئی۔ شورش زدہ ملک افغانستان میں جرائم کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ لوگوں کو عدل وانصاف ملنے لگا تھا۔ طالبان پر لگائی گئی پابندیوں کے باوجود افغانستان سے خیر کی نئی نئی روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔ چنانچہ ڈاکٹر جاوید اقبال جیسے سیکولر شخص نے افغانستان کا دورہ کیا تو وہ طالبان کے قائم کردہ نظام سے اِس قدر متاثر ہوا کہ واپس آکر اُس نے لگی لپٹی بغیر کہا کہ طالبان نے جو نظام قائم کیا ہے، اگر یہ دنیا کے چند اور اسلامی ممالک بھی اپنے ہاں قائم کرلیں تو ساری دنیا مسلمان ہو جائے گی۔ طالبان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اصل بات شیطانی قوتوں کا یہ اندیشہ تھا کہ اسلامی نظام سے دنیا پر شرعِ پیغمبر آشکارا ہورہی ہے، اُس کی برکات ظاہر ہورہی ہیں۔ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو پھر اِس ابلیسی سیکولر نظام کو کہیں بھی پناہ نہیں ملے گی۔ لہٰذا انہوں نے ابتدا ہی میں اِس کے خاتمے کے لیے افغانستان پر حملہ کردیا۔

اذنِ قتال کی اجازت کے بعد آگے فرمایا:

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ﴾

''اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) صومعہ اور (عیسائیوں کے) گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے ویران ہوچکی ہوتیں۔''

مکہ میں ہاتھ باندھے رکھنے کا جو حکم تھا، وہ مستقل قانون نہیں تھا، بلکہ عبوری دور کے لیے ہدایت تھی، کیونکہ ایک وقت آتا ہے جب شر کی قوتوں کا بہت زور ہوجاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ انسانیت کی فلاح اور بہتری کے لیے اہل حق کو اللہ تعالیٰ کوڑا بنا کر اہل باطل پر دے مارتا ہے، جس سے باطل کا بھیجہ نکل جاتا ہے اور سارا گند صاف ہوجاتا ہے۔ آج بھی باطل نے دنیا میں بے انتہا گند پھیلایا ہوا ہے۔ یہ گند شیطنت، استحصال، ظلم و جور، عدم مساوات اور فحاشی و عریانی کا گند ہے۔ ہم بھی اِس گند میں ملوث ہیں۔ اِس گند کے خاتمے کے لیے اللہ تعالیٰ اہل حق کو کھڑا کرتا ہے اور اُن کی مدد کرتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا مکہ میں مسلمانوں کے ہاتھ بندھے تھے، مگر اب اُن سے کہا گیا کہ تمہیں کفار کے خلاف کھڑا ہونا ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد سورۃ البقرہ میں وہ آیت بھی آگئی جس میں قتال فرض کردیا گیا۔ قتال اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا ایک اہم جزو ہے۔ اللہ نے واضح فرمادیا کہ اگر وہ اہل حق کے ذریعے اہل باطل کو پسپا نہ کرتا تو تمام عبادت خانے منہدم کردیے جاتے۔ صوامع (عیسائیوں کی خانقائیں) جن میں اولین دور کے نصاریٰ دنیا سے کٹ کر اللہ سے لو لگاتے تھے، اور عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے کنیسا اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں اللہ کا بکثرت ذکر ہوتا ہے، صفحۂ ہستی سے مٹادی جاتیں۔

﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾﴾

''اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی ضرور مدد کرتا ہے بے شک اللہ توانا اور غالب ہے۔''

یہ اہل ایمان کے لیے بہت بڑی بشارت ہے۔ اِس میں ہمارے دفاع کے مسئلہ کا حل موجود ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ ہم اِس کی طرف توجہ کرنے کو تیار نہیں۔ اللہ نے یہی بات اور مقام پر بھی بایں الفاظ فرمائی ہے کہ ''اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔'' (محمد:7) اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ میں ضرور اُن لوگوں کی مدد کروں گا جو میری مدد کریں گے۔ یعنی میرے دین کی سربلندی اور غلبہ کے لیے کوشش کریں گے۔ اسلام کے ساتھ سچی وفاداری اُن کی زندگی کا ماٹو ہوگا۔ یہ ہے وہ اصل ہدایت جس پر ہم سب کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اِس سے پہلے ملک میں تحفظ ناموس رسالت کے حوالے سے بھی ایک تحریک چلی۔ بڑے شہروں میں ریلیوں، آل پارٹیز کانفرنسوں اور اجتماعات کا انعقاد کیا جاتا رہا۔ میں اِن مواقع پر بھی اِسی بات کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں کہ ہمیں دشمنوں کے مقابلے میں اللہ کی نصرت کی ضرورت ہے، یہ نصرت تب آئے گی جب ہم دین سے وفاداری کریں گے۔ اللہ کی نصرت کے حصول کی لازمی شرط اُس کے دین نصرت وحمایت ہے۔ اِس کے بغیر اللہ کی مدد نہیں آئے گی۔ اللہ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ وہ قوی اور غالب ہے۔ وہ چاہے تو چشم زدن میں اہل کفر اور طاغوت کا صفایا کردے، اُسے بندوں کی نصرت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اہل ایمان پر جو سختیاں آرہی ہیں، اُن کے ذریعے اللہ اُن کے خلوص کا امتحان لے رہا ہے، کیونکہ اللہ کا ضابطہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی مدد تب کرتا ہے جب وہ اپنے عمل سے ثابت کردیں کہ وہ اللہ کے وفادار ہیں۔ اِس وقت صورتحال یہ ہے کہ رب کی دھرتی پر رب کے باغیوں کا قبضہ ہے۔ شیطانی تہذیب وثقافت کا غلبہ ہے۔ ایسے میں یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اللہ کے وفادار بندے خاموش بیٹھے رہیں۔ اُن کا ایمان اِس کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اُن کا کام یہ ہے کہ خدا کی زمین پر سے شیطانی طاغوتی نظام اور ابلیسی تہذیب کو نیست ونابود کرکے، اللہ کی میزان عدل کو نصب کریں۔ اللہ نے جو دین حق اور نظام عدل عطا کیا ہے، اُس کے قیام کے لیے کوشش کریں، قربانیاں دیں۔ ایسے ہی لوگ اللہ کے مددگار ہوں گے اور اللہ انہی کی مدد کرے گا۔ دفاع پاکستان کا اصل راستہ یہ ہونا چاہیے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ امریکہ کو بڑی قوت سمجھ کر اُس کی ایک دھمکی پر ڈھیر ہوگئے، حالانکہ بغل میں ایٹم بم رکھا ہوا ہے۔ امارت اسلامی افغانستان کے خاتمے میں ہم نے دشمنوں کی مدد کی۔ اِس سراسر ناروا پالیسی اور ظالمانہ فیصلہ کے خلاف قوم نے مؤثر آواز نہیں اُٹھائی، اور یوں عملاً پوری قوم نے مشرف کے فلسفہ پر لبیک کہا۔ یہ ہماری دین سے بے وفائی اور غداری کی انتہا تھی کہ ہم اسلام کے خلاف اسلام دشمنوں کی صف میں جا کھڑے ہوئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم دین کے غداروں کی صف میں کھڑے ہونے اور اللہ کے خلاف جنگ کرنے کے باوجود بھی یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ ہماری مدد کرے گا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہم اب بھی صحیح راستے پر نہیں آئے، بلکہ دین سے غداری کی روش جاری ہے۔ اِس کی تازہ مثال پنجاب اسمبلی میں تعلیمی اداروں میں میوزیکل کنسرٹ پر پابندی بارے قرارداد پر سجدۂ سہو ہے۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی کی نہیں، مسلم لیگ ن کی حکومت ہے، جو اسلام کا نعرہ لگاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ جب اللہ اور اُس کے دین سے ہماری وفاداری کا یہ عالم ہوگا تو پھر اُس کی مدد کیسے آئے گی۔ ہم زبان سے خواہ کتنا ہی اللہ اکبر کہتے رہیں، ہمارا عملی رویہ یہی بتاتا ہے کہ ہم امریکہ کو ''اکبر'' مانتے ہیں۔ اِسی لیے تو پوری احتیاط کی جاتی ہے کہ کوئی ایسا قدم نہ اُٹھائیں جس سے شیطانی اور طاغوتی قوتیں ہم سے ناراض ہوجائیں۔ اللہ سے تو جنگ بھی ہمیں گوارا ہے، جو ہم سود کی صورت میں جاری رکھے ہوئے ہیں، مگر اپنے مغربی آقاؤں کی ناراضی ہم کسی طور مول نہیں لے سکتے۔ بہرحال ہمیں یہ بات دل ودماغ میں بٹھا لینی چاہیے کہ اللہ کی جانب سے مدد تب ہی ہوگی جب ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے اور جب اللہ ہماری مدد کرے تو پھر پورا عالم کفر مل کر بھی ہمارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ ہم نے اپنے پڑوس کی سرزمین افغانستان میں دیکھ لیا ہے کہ اللہ نے کیسے اپنے وفاداروں کی مدد کی ہے۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ تاریخ انسانی میں طاقت کا اتنا عدم توازن کبھی نہیں ہوا ہوگا، جتنا افغانستان کی جنگ میں تھا۔ ایک طرف چند ہزار نہتے

طالبان مجاہدین تھے اور دوسری جانب دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی اور خوفناک جنگی ہتھیاروں سے لیس ساری دنیا کی کفریہ فوجیں تھی۔ اسلامی دنیا بھی امریکہ اور نیٹو کی پشت پناہ تھی، مگر اللہ نے اپنے وفاداروں کی نصرت کی اور کفار طالبان کو شکست نہ دے سکے۔

اللہ کی نصرت کرنے والے، اللہ کے سچے وفادار کون لوگ ہیں، اِن کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے، اِس بارے میں فرمایا:

﴿اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَہَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾﴾

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔“

اللہ کے سچے وفاداروں کا معاملہ یہ ہے کہ جب انہیں زمین میں غلبہ وتمکن حاصل ہوتا ہے تو وہ نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کرتے ہیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ دین کل کا کل نماز اور زکوٰۃ کے اندر سمٹ آتا ہے۔ پورے دین کا قیام یہاں ان دو باتوں میں موجود ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے۔ حقوق اللہ میں سب سے بڑی شے نماز ہے، جو دین کا ستون ہے۔ اللہ کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ اُس کی توحید کا اقرار کیا جائے، اُس کی بندگی کی جائے، اُسی کی توحید پر مبنی نظام قائم کیا جائے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ یہ حقوق العباد کے لیے ایک نمایاں علامت ہے۔ لوگوں میں تقسیم دولت کیسے ہوگی، اُن کی کفالت کا نظام کیسے وضع ہوگا، اُن کے معاشی استحصال کا کیسے قلع قمع ہوگا، اللہ کے نیک بندے اِس کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ امر بالمعروف کا اہتمام کرتے ہیں۔ نیکی کا حکم دیتے ہیں، بھلائیوں کو فروغ دیتے ہیں۔ ”امر“ کا لفظ عربی میں مشورہ دینا، تلقین کرنا، حکم دینا، یہاں تک کہ قوت ہو تو اس حکم کو نافذ کرنا وغیرہ سب کے لیے آتا ہے۔ پھر یہ کہ یہ لوگ نہی عن المنکر کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں، دوسروں کو منکرات اور برائیوں سے روکتے ہیں۔ آج کے دور میں ایسے لوگوں کی عملی تصویر دیکھنی ہو تو طالبان افغانستان کو دیکھ لیا جائے۔ انہیں افغانستان میں غلبہ حاصل ہوا تو انہوں نے اپنے ملک میں فقہ حنفی کے مطابق شریعت کا پورا ڈھانچہ کھڑا کر دیا۔ شریعت فوراً نافذ کر دی۔ پھر انہوں نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے قائم کر دیئے۔ ہم بھی تو مسلمان ہیں۔ کیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں؟ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح معنوں میں اپنے دین سے وفاداری کی توفیق عطا فرمائے۔ یہی دفاع کا اصل راستہ ہے، اللہ ہمیں اِس پر چلنے کی توفیق دے۔ (آمین)

[مرتب: محبوب الحق عاجز]

تازہ شمارہ (جنوری تا مارچ 2012ء)

دعوت رجوع الی القرآن کا نقیب
علوم وحکم قرآنی کا ترجمان

سہ ماہی حکمت قرآن لاہور

بیاد: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ــــ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

اس شمارے کے خصوصی مضامین

ربانی ٹیلی گرام: انسانیت کے نام ــــ ڈاکٹر ابصار احمد
اجتہاد کا اجتماعی منہج ــــ مفتی محمد تقی عثمانی
رسالة في بيع النسيئة ــــ امام محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی
مولانا ابوالکلام آزاد کی سیاسی وادبی خدمات ــــ محمد انس حسان
The History of Muslim Spain ــــ Dr. Israr Ahmad
And its similarity with the History of Muslim India

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا دورۂ ترجمہ قرآن بزبانِ انگریزی
Message of The Quran تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت فی شمارہ: 50 روپے ☆ سالانہ زرتعاون: 200 روپے

خلافت فورم

☆ آلاتِ موسیقی کے ساتھ گانے گانا، سننے اور دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
☆ کیا ہمارے دین میں صوفیانہ کلام ساز وآواز کے ساتھ قوالی کے انداز میں گانے کی اجازت ہے؟
☆ کیا واقعتاً موسیقی روح کی غذا ہے: علماء دین کا موقف کیا ہے؟
☆ کیا اسلام دف کے علاوہ کسی اور آلہ موسیقی کی اجازت دیتا ہے؟
☆ کیا اسلام میں موسیقی کو واضح طور پر حرام قرار نہیں دیا گیا؟
☆ تعلیمی اداروں میں میوزیکل کنسرٹس پر پابندی کی قرارداد کی واپسی پر
☆ دینی جماعتوں کا Reaction کیوں نہیں آیا؟
☆ کیا آلاتِ موسیقی کے بغیر گانا گانے کی اجازت ہے؟
☆ کیا اسلام موسیقی کا کوئی متبادل پیش کرتا ہے؟

ان سوالات کے جواب تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ
www.tanzeem.org ’خلافت فورم‘ میں دیکھیے

تجزیہ کار: قاری محمد یعقوب شیخ (مرکزی راہنما جماعۃ الدعوۃ، سیکریٹری جنرل تحریک حرمت رسول)
مومن محمود (ریسرچ سکالر تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

پروگرام کے بارے میں اپنی آراء وتجاویز media@tanzeem.org پر ای میل کریں

کامیاب ترین انسان ﷺ

حبیب اشرف صبوحی

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے لوگوں کو دینی و دنیاوی فوز وفلاح کی طرف بلایا تو مکہ کے قریش آپؐ کے جانی دشمن بن گئے۔ عتبہ بن ربیعہ سردارانِ قریش کی طرف سے نمائندہ بن کر حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: ''بھتیجے تم نے یہ کام شروع کیا ہے، اس سے تمہارا مقصد اگر مال ودولت حاصل کرنا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اتنا کچھ دے دیتے ہیں کہ تم عرب بھر میں سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے اور اگر تم اس سے اپنی بڑائی چاہتے ہو تو ہم تمہیں متفقہ طور پر اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کریں گے اور اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں......''

عتبہ یہ باتیں کرتا رہا اور اللہ کے آخری رسول ﷺ خاموشی سے سنتے رہے۔ آج کے ایک دنیادار انسان کی طرح عتبہ کے نزدیک بھی زندگی میں ایک کامیاب ترین انسان کا تصور یہی تھا کہ اسے ڈھیروں مال ودولت حاصل ہو جائے یا اُسے انسانوں پر چودھراہٹ حاصل ہو جائے۔ جب وہ خاموش ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا: ''ابو الولید، تم فارغ ہو گئے ہو، اُس نے کہا ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: اچھا اب میری بات سنو۔ اُس نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر آپؐ نے سورۂ حٰم سجدہ کی تلاوت شروع کی جب آپؐ اس آیت پر پہنچے:

﴿حٰمٓ ① تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ② كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ③ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ④ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾

''حٰم۔ (یہ کتاب خدائے) رحمٰن ورحیم (کی طرف) سے اتری ہے۔ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح (المعانی) ہیں (یعنی) قرآن عربی ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو بشارت بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے لیکن ان میں سے اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں۔''

گویا ایک انسان کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں ایسے کام انجام دے جن کے نتیجے میں وہ اُخروی زندگی میں عذاب سے محفوظ رہے۔ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارکہ کا یہی مقصد وحید تھا۔ دنیا کے اس کامیاب ترین انسان ﷺ کی تعلیمات اس قدر جامع اور اکمل ہیں کہ ان پر عمل کرنے سے دین اور دنیا کی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ کی حیات مبارکہ کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے وہ ایک کامل واکمل اور کامیاب ترین انسان نظر آتے ہیں۔ بحیثیت شہری وہ انتہائی دردمند اور مخلص کارکن نظر آتے ہیں۔ بحیثیت تاجر وہ انتہائی حوصلہ مند، سچے اور دیانت دار ہیں۔ بحیثیت شوہر انتہائی خوش مزاج اور مہربان ہیں۔ بحیثیت باپ انتہائی شفیق ہیں۔ بحیثیت جرنیل اور سپہ سالار انتہائی کامیاب اور کریم النفس ہیں۔ بحیثیت مبلغ و مصلح فقیہ المثال ہیں۔ بحیثیت معلم بے نظیر ہیں۔ بحیثیت قائد وحکمران آپؐ کی عظمت ایسی کہ کفار بھی ماننے پر مجبور ہیں۔ غرض جس پہلو سے بھی نظر ڈالیں حضور ﷺ ایک کامیاب ترین انسان ہیں۔

اللھم صلی علی محمدٍ وآل محمدٍ وبارك وسلم

ذرا اس معاشرے پر نظر ڈالیے، جس کے آخری رسول ﷺ مبعوث ہوئے۔ ہر طرف شراب نوشی اور جوئے بازی کا زور تھا۔ باہمی جنگ وجدل کی گھٹائیں مسلط تھیں۔ بت پرستی اُن کی گھٹی میں پڑی تھی۔ دختر کشی ایک رسم تھی یعنی انسان کے قتل کو جرم ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بد اخلاقی اپنے عروج پر تھی۔ نہ کوئی آئین تھا نہ اُصول، کوئی تہذیب تھی نہ تمدن تھا۔ ہر طرف بے حیائی، زناکاری، حرام خوری، دغا، فریب، کبر وغرور، حسد وکینہ، غیبت وبدگوئی کذب ودروغ کے سیلاب اُمڈے ہوئے تھے۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے تئیس سال کی محنت شاقہ سے اس معاشرے کی کایا پلٹ دی اور دیکھتے ہی دیکھتے شراب اور جوئے کے رسیا اخلاق کے معلم بن گئے۔ بت پرستی کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ ظلم وجور کا کلی خاتمہ ہو گیا۔ ذرا ذرا سی بات پر قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دینے والے باہم شیر و شکر ہو گئے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

خود نہ تھے جو راہ پر دنیا کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

حضور اکرم ﷺ کے سامنے بنی نوع انسان کی حقیقی کامرانی کا مشن تھا۔ اس مشن کی خاطر آپؐ کو، آپؐ کے جاں نثار رفقاء کو طرح طرح کی تکالیف اور مصائب برداشت کرنا پڑے۔ آپؐ کو گالیاں دی گئیں۔ آپؐ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے۔ گزرتے ہوئے سر پر کوڑے کے ڈھیر پھینکے گئے۔ نماز پڑھتے ہوئے عین سجدہ کی حالت میں غلاظت کے انبار ڈالے گئے۔ طائف میں لہولہان کیا گیا۔ شعب ابی طالب میں محصور کر کے بھوک اور پیاس مسلط کر دی گئی۔ حضور اکرم ﷺ کے اصحابؓ کو بھی قریش نے بے پناہ مظالم کا نشانہ بنایا۔ ایک روز اللہ کے آخری رسول کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ خباب بن ارت پر نظر پڑی جو قریش کے بے پناہ مظالم کے باعث وہاں بے حال پڑے تھے۔ خباب بن ارتؓ کو ہوش آیا۔ حضور پر نگاہ پڑی تو ادب سے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے لیے خدا سے مدد کی دعا نہیں فرمائیں گے؟ حضور اکرم ﷺ نے خباب کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: خباب! تم سے پہلے ایسے لوگ ہو گزرے ہیں جن کے سروں پر آرے چلا کر ان کو دو ٹکڑے کر دیا جاتا تھا۔ لوہے کی تیز بڑی بڑی کنگھیوں سے جیتے جی ان کے گوشت اور کھالوں کی کترنیں ہڈیوں سے نوچ لی جاتی تھیں۔ لیکن یہ چیزیں ان کو دین وایمان سے نہ پھیر سکیں۔ پھر ارشاد فرمایا: ''خدا کی قسم! میرے اس کام کو اللہ تعالیٰ ایسی تکمیلی منزل تک پہنچائے گا کہ ایک سوار صنعا سے حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف لاحق نہیں ہوگا''۔ اور جب اسلام غالب آ گیا تو دنیا نے جلد ہی امن وامان کا یہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اُن راستوں سے جہاں عرب مسلح قافلوں کے بغیر گزرنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے، لوگوں نے دیکھا کہ قادسیہ سے اکیلی عورت حج کے لیے نکلتی ہے، مکہ پہنچتی ہے اور اسے راستے میں کسی قسم کا کوئی

(باقی صفحہ 9 پر)

اظہار خیال

اے پاک وطن!

تو صاحبِ منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی

نعیم اختر عدنان

وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان نہ صرف اسلامی دنیا بلکہ پورے عالم انسانیت کے لیے اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا جغرافیائی محل وقوع، اِس کے عوام کا اسلامی جذبہ، اِس کی ایٹمی صلاحیت، اس کی بہادر افواج سب کچھ مل کر اِسے نہایت اہم بنا دیتے ہیں۔ پاکستان کی یہ اہمیت جہاں اہل وطن کے لیے خوشی وافتخار کا موجب ہے، وہیں دنیا بھر میں پھیلے ہمارے دشمنوں کے لیے پاکستان ایک ڈراؤنا خواب بن چکا ہے۔

اہل وطن جانتے ہیں کہ 23 مارچ 1940ء کا ہندسہ ہماری قومی وملی تاریخ کا اہم ترین دن ہے۔ اِسی تاریخ کو برعظیم کے مسلمانوں نے لاہور کے منٹو پارک میں جمع ہو کر مسلمانوں کے لیے علیحدہ اور خودمختار مملکت کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا اور تحریک پاکستان کے قائدین کے خلوصِ نیت کا مظہر بھی کہ محض سات سال کے قلیل عرصہ ہی میں اسلامیانِ ہند کو پاکستان کے نام سے ایک آزاد وخودمختار ملک کا تحفہ عطا کر دیا گیا۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق یہ دن 14 اگست 1947ء کا یادگار دِن تھا تو اسلامی تقویم کے اعتبار سے یہ رمضان المبارک کی 27 ویں شب تھی، جس کے بارے میں گمان غالب ہے کہ یہ نزول قرآن کی رات بھی ہے۔ گویا پاکستان کے قیام کا کوئی نہ کوئی تعلق قرآن پاک کے اجتماعی نظام سے بھی ہے۔ چنانچہ 12 مارچ 1949ء کا دن بھی منفرد اہمیت کا حامل ہے کہ اِس دن پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے (قرآن اور سنت کی ریاست کی سطح پر بالادستی کے اعلان کی حامل) قرارداد مقاصد کو منظور کر کے ؏ ''خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی (ﷺ)'' کا نعرۂ مستانہ بلند کر دیا کہ ؏ ''اکبر نام لیتا ہے خدا کا اِس زمانے میں'' بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد علیہ ساتھی اور تحریک پاکستان کے اہم ترین راہنما اور پاکستان کے پہلے وزیراعظم جناب لیاقت علی خان نے قراردادِ مقاصد کی نہ صرف بھرپور طریقے سے تائید کی بلکہ قراردادِ مقاصد کے جملہ نکات کی تفصیلی تشریح وتوضیح کر کے ملک کے حکمرانوں کے لیے منزل کا بھی تعین کر دیا۔

12 مارچ 1949ء یعنی قرارداد مقاصد کی منظوری اور ملک کے پہلے دستور کی تشکیل (1956ء) میں بڑی طویل مسافت ہے مگر پھر بھی تاخیر ہی سے سہی ایک متفقہ اسلامی آئین کی تشکیل سے ایک اہم ترین کارنامہ انجام دیا گیا۔ قوموں اور ملکوں کی تاریخ میں آئین سازی اور دستور کی تدوین سے شاید ہی کوئی مشکل مرحلہ ہو، جسے پاکستانی قیادت نے سرانجام دیا۔ اور اُس وقت کی قیادت نے سہروردی کی قیادت میں مزار قائد پر حاضری دے کر گویا قائد کی روح کو خراج عقیدت پیش کر دیا کہ جس عظیم مقصد کے لیے یہ ملک حاصل کیا گیا تھا اُس کی منزل کا دستور وقانون کی سطح پر بھی تعین کر دیا گیا...... مگر ؏ ''یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال یار ہوتا'' کی مانند جنرل محمد ایوب خان نے ملک کا آئین توڑ کر جنگل کا قانون یعنی مارشل لاء نافذ کر دیا اور اِس منحوس دِن سے ہمارا وطن اپنی منزل سے دور سے دور تر ہونے کے عمل یعنی ''بھٹکا ہوا راہی'' ہونے کی بنیاد پڑ گئی۔ وہ دن اور آج کا دن ہم بحیثیت قوم...... ''کاروان کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا'' کا منہ بولتا ثبوت ہیں...... ایوب خان نے ''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے'' کے لمحات میں اسمبلی کے سپیکر کو اقتدار کے حوالے کرنے کی بجائے اپنے ہی ایک ساتھی جنرل یحییٰ خان کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ شراب وکباب کے نشے میں سرشار رہنے والے اِس شرابی اور زانی ٹولے نے ملک وملت سے غداری کرتے ہوئے پاکستان کے مشرقی بازو یعنی مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کر دیا اور یوں ملک دولخت ہو گیا۔ سقوط ڈھاکہ کے نام سے پاکستان کو بدترین قسم کی شکست اور ذلت سے دوچار ہونا پڑا جب ہمارے نوے ہزار سے زائد فوجی اور سول لوگ ہندوستان کی قید میں چلے گئے۔ 16 دسمبر 1971ء کا یہ دن صرف اہل پاکستان ہی کے لیے نہیں بلکہ پوری ملت اسلامی کے لیے ایک بدنما داغ کی حیثیت رکھتا ہے، جب ہندوستان کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے یہ بھاشن دیا کہ ''ہم نے مسلمانوں سے ہزار سالہ شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ اور یہ کہ دوقومی نظریے کو خلیج بنگال میں پھینک دیا گیا ہے۔''

قارئین! اِس منحوس اور سیاہ ترین دن کو بیتے 40 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر باقی ماندہ ملک (ذوالفقار علی بھٹو کے الفاظ میں) ''نئے پاکستان'' کو آج بھی اپنے وجود اور آزادی وخودمختاری کے حوالے سے بہت سے چیلنج درپیش ہیں جن سے ملک کی فوجی وسول قیادت نپٹنے کی ''ناتمام'' کوششوں میں مصروف عمل ہے۔ بقول شاعر ؎

ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے
ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ

کے مصداق ہمارے دشمن ملک بھارت نے جو پاکستان کو دوٹکڑے کرنے میں پوری طرح ملوث تھا، 1974ء میں ایٹمی دھماکہ کر کے پاکستان کے وجود کو نئے اور حقیقی خطرات سے دوچار کر دیا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے غیرت مند قائد کی حیثیت سے بھارت کی ایٹمی برتری کا جواب دینے کا جرأت مندانہ فیصلہ کر کے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی داغ بیل ڈال دی۔ ایٹمی پروگرام کے خالق محسن پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھٹو کی ہدایت پر اور اپنے جذبۂ حب الوطنی وملی غیرت کے تحت اپنی تمام صلاحیتیں لگا کر پاکستان کو ایٹمی طاقت بنا دیا۔ اور ''تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست'' کے مصداق وہ دن بھی آن پہنچا جب بھارت نے دوبارہ یکے بعد دیگرے ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کی سلامتی وخودمختاری پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی مگر اُس لمحہ پاکستان کی قیادت کے منصب پر فائز میاں محمد نواز شریف نے بروقت اقدام کر کے (امریکہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود) چاغی کے پہاڑوں میں ایٹمی دھماکے

کر کے نہ صرف بھارت کا حساب برابر کر دیا بلکہ پاکستان کو اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی طاقت اور دنیا کا ساتواں ایٹمی ملک بنا دیا۔ مگر پھر ہوا یوں کہ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کر کے نواز شریف کو جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا اور امریکہ کا ''بغل بچہ'' بن گیا۔ امریکہ طالبان کے اسلامی افغانستان پر اپنے اتحادیوں سمیت حملہ آور ہو گیا اور پاکستان کے چیف ایگزیکٹو پرویز مشرف نے ملک کا سب کچھ امریکہ کے حوالے کر دیا۔ ملکی مفاد، ملّی وقار، قومی سلامتی، غرض ہر چیز ڈالروں کی دہلیز پر نیلام کر دی گئی اور یوں ''جعفر از بنگال اور صادق از دکن کی پرانی کہاوت پھر سے لوگوں کے ذہن میں آ موجود ہوئی، مگر نئے اضافے کے ساتھ ''جعفر از بنگال، صادق از دکن، مشرف از پاکستان، ننگ ملت، ننگ دیں، ننگ وطن'' افغانستان کی سرزمین پر لڑے جانے والے معرکۂ شیطانی میں ہم قومی سطح پر امریکہ کے اتحادی یعنی فرنٹ مین بن گئے۔ حکمرانوں کی نظر میں پاکستان کے لیے یہ ایک ''اعزاز'' ہے جو درحقیقت پاکستان کے گلے کا طوق بن چکا ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم نہ صرف افغانستان کے غیور مجاہدین کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کیے بلکہ اپنے ہی قبائلی بھائیوں کے خلاف فوجی آپریشن بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔

قارئین، مشرقی پاکستان میں بھی ہم نے فوجی آپریشن کر کے ''مطلوبہ نتیجہ'' حاصل کر لیا تھا اور ملک کو دولخت کر دیا گیا اور اب بھی اہل وطن کے ایک حصے کے خلاف گزشتہ کئی سالوں سے فوجی آپریشن جاری ہے۔ ہم نے بحیثیت قوم سقوطِ ڈھاکہ سے نہ ماضی میں کوئی سبق سیکھا اور نہ ہی آج کوئی سبق حاصل کرتے نظر آتے ہیں۔ دہشت گردی کی نام نہاد امریکی جنگ میں ہم فرنٹ لائن اتحادی بن کر اپنی ہی افواج کے جانباز سپاہیوں کو دشمن کے ہاتھوں ''شہادت کے جام'' نوش جان کروانے کا ذریعہ بن گئے۔ واہ رے دانشمندی اور غیرتِ قومی، تمہارے بھی کیا روپ ہیں۔

کراچی کے نیول بیس پر حملہ ہو کہ ایبٹ آباد کا امریکی آپریشن، ان گنت ڈرون حملے ہوں کہ ریمنڈ ڈیوس کی باعزت امریکہ واپسی، ہماری عوامی، جمہوری اتحادی اور مفاہمتی حکومت نے قومی بے غیرتی اور بے حمیتی کے تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے ہیں، اور اس کے باوجود حکمران اپنی ہی ان ''کج اداؤں'' پر واری صدقے ہو رہے ہیں...... محترمہ بے نظیر بھٹو کے سابق شوہر اور صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری شطرنج سیاست پر مہرے بدلتے بدلتے خود میمو سکینڈل کے گرداب میں پھنس چکے ہیں اور اب یہ معاملات ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے روبرو زیر سماعت ہیں...... قارئین، یہ ہے ہماری سیاسی قیادت کی دانشمندی اور جذبۂ حب الوطنی کا منہ بولتا ثبوت۔ اِس سے بڑھ کر بھی ملکی مفاد، قومی سلامتی اور حب الوطنی کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: (ترجمہ) ''جب ہم کسی قوم کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے بڑے لوگوں (صاحب اقتدار طبقات) کو حکم دیتے ہیں اور وہ اپنے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو ہمارا عذاب ایسی قوم پر مسلط ہو جاتا ہے اور ہم اُسے تباہی سے دوچار کر دیتے ہیں۔''

قارئین! وطن عزیز جس طرح کی حالت میں آج مبتلا ہے، اس صورت حال کے حوالے سے کوئی صاحب فہم شخص کوئی عقل سلیم کا حامل فرد اور صاحبان عقل و خرد کی مجلس ہمیں بحیثیت قوم ''صاحب منزل قوم'' قرار دے سکتی ہے؟ البتہ حکمرانوں کے علاوہ ہر ایک کو تو وطن عزیز ''بھٹکا ہوا راہی'' ہی نظر آ رہا ہے، جسے میڈیا کی زبان میں "Failed State" کہتے ہیں۔ مگر ان تمام تر اندیشوں، وسوسوں، سازشوں کے باوجود ہماری دعا ہے کہ ہمارا ایٹمی اور اسلامی پاکستان ''صاحب منزل'' ملک بن کر اپنا حقیقی کردار ادا کرے جیسے جناب حنیف جالندھریؒ نے ''قومی ترانہ'' کی شکل میں ہمارے سامنے رکھا تھا۔ ہمارے حکمرانوں کو خود فریبی اور خودستائی کا خطرناک مرض لاحق ہو چکا ہے جس نے انہیں سماعت اور بصارت سے کلیتاً محروم کر دیا ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ اس ملک کی منزل اسلامی فلاحی ریاست تھی۔ یہ منزل نہ ملی تو یہ ملک اپنا جواز کھو دے گا۔ بیرونی دشمن اندرون ملک موجود سیکولر عناصر سے مل کر اس ملک کو اس متاع سے محروم کر دینا چاہتے ہیں جو اس کے قیام اور وجود کی بنیاد ہے۔ ستارہ و ہلال پر مبنی اس پرچم پر اگر سایۂ خدائے ذوالجلال رہے گا تو یہ ملک صاحبِ منزل ہو گا۔ لہٰذا جو کوئی بھی اس وطن سے محبت کا دعویدار ہے وہ پاکستان میں نظام خلافت قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرے تاکہ اسے صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی ریاست بنایا جا سکے۔ ہم پاکستانی مسلمان کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ کی رضا اور دنیوی منزل ایک ہی نوع کی جدوجہد سے حاصل کر سکتے ہیں۔

بقیہ: کامیاب ترین انسان ﷺ

خوف محسوس نہیں ہوتا۔

آپؐ نے اسلامی ریاست تشکیل دی۔ آپؐ نے اسلامی انقلاب برپا کیا۔ جب حضور اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اُس وقت یہ چھوٹی سی اسلامی ریاست پھیل کر بائیس لاکھ مربع میل تک وسیع ہو چکی تھی۔ آپؐ کی حیات طیبہ کے دوران مسلمانوں کی چھوٹی بڑی 81 جنگیں ہوئیں۔ 27 غزوات میں حضور ﷺ خود شریک ہوئے، لیکن حیرانی کی بات ہے کہ ان تمام جنگوں میں مسلمان شہداء 259 اور غیر مسلم مقتولین 759 تھے۔ یعنی مقتولین کی کل تعداد 1018 تھی جبکہ اسلامی انقلاب سے قبل رومی فاتحین کا یہ حال تھا کہ وہ ایک ہی یلغار میں دو دو لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات آج بھی زندگی کے ہر گوشہ میں ہماری مکمل رہنمائی کرتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اِس کامل ترین انسان اور عظیم المرتبت پیغمبر اسلامی انقلاب کی تعلیمات اور آپؐ کی برپا کردہ نظام حق کو اختیار کیا جائے۔ اِسی سے ہم بھی کامیاب و کامران زندگی گزار سکتے ہیں۔

تنظیمی ذمہ داریوں میں ردوبدل

مرکزی عاملہ کے اجلاس منعقدہ 5 جنوری 2012ء میں مشورہ کے بعد امیر محترم نے میجر (ر) فتح محمد کو ناظم اعلیٰ کے نائب برائے خیبر پختونخوا (مشتمل بر حلقہ جات مالاکنڈ اور خیبر پختونخواہ جنوبی) مقرر فرمایا۔

میجر (ر) فتح محمد صاحب کے نائب ناظم اعلیٰ مقرر ہونے پر جناب خورشید انجم کو ناظم حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی مقرر کیا گیا ہے۔

جبکہ نائبین ناظم اعلیٰ برائے شمالی پاکستان اور وسطی پاکستان کی ذمہ داریوں میں بھی ردوبدل کیا گیا۔ لہٰذا ان پر درج ذیل حلقوں کی ذمہ داری ہو گی۔

i) نائب ناظم اعلیٰ برائے شمالی پاکستان جناب خالد محمود عباسی کو حلقہ جات پنجاب شمالی، آزاد کشمیر اور پوٹھوہار کے علاوہ حلقہ گوجرانوالہ کی نگرانی بھی سپرد کی گئی ہے۔

ii) نائب ناظم اعلیٰ برائے وسطی پاکستان، جناب پروفیسر خلیل الرحمٰن کو حلقہ جات فیصل آباد، سرگودھا اور پنجاب جنوبی کے علاوہ حلقہ پنجاب شرقی کی نگرانی بھی سپرد کی گئی ہے۔

بس، خلافت نامنظور!

محمد فہیم

مغرب کا عجب معاملہ ہے جب وہاں کے لوگ اپنی آزاد مرضی کے مطابق آزادی کے نام پر فحاشی، زنا اور لواطت کا ارتکاب کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کی آزادی ہے اور جمہوری معاشرہ میں اس پر کوئی قدغن نہیں لگایا جاسکتا۔ خواہ کوئی حرامی بچے جنے یا بغیر نکاح کے ایک مرد اور ایک عورت زندگی بسر کریں اور خواہ دو مرد آپس میں میاں بیوی کی طرح جنسی تعلق استوار کریں۔ جبکہ مسلمان ملکوں میں مسلمان معاشروں کے اندر اگر خود مسلمان اپنی آزاد مرضی سے ایک ایسے معاشرے کو تشکیل دینے کا عزم کریں جہاں وہ اللہ تعالیٰ کو سپریم اتھارٹی مان کر اس کی دی ہوئی آزادی کے اندر اندر ایسی زندگی گزارنے کا ارادہ کریں جہاں حاکمیت کل کی کل اللہ کی ہو۔ یہ دُنیا اور اس کی دولت اللہ کی امانت سمجھی جائے اور معاشرتی سطح پر مساوات کی بات ہو اور جہاں عورت اور مرد کا دائرہ کار متعین، علیحدہ علیحدہ اور الگ الگ ہو تو مسلمانوں کی اس خود اختیاری کو مغرب چیلنج کر کے ان پر pre emptive حملہ کرنے کا اسی وقت فیصلہ کر لیتا ہے کیونکہ ان مغربی طاقتوں کو زمین پر خلافت کے ابھرنے سے وحشت محسوس ہوتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر کہیں زمین کے کسی بھی حصے میں اللہ کے نظام کو قائم کرنے دیا جائے تو دُنیا اس نظام کی طرف متوجہ ہوگی۔ سب کچھ منظور ہے ''بس خلافت نامنظور'' یہ ہے وہ سوچ جس پر مغربی دُنیا اور مسلم دُنیا کے سیکولر دانشور اور حکمران اور بالادست طبقات متفق ہیں۔ اس نظام سے مغرب کا مادر پدر آزاد جمہوری نظام خطرے میں پڑ جائے گا۔ دُنیا ایک سرگردانی کی کیفیت میں مبتلا ہے اور وہ لامحالہ اس رُخ پر سفر کرتی دکھائی دی رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افغانستان کے سنگلاخ پہاڑوں میں جب ''طالبان'' کے زیر اقتدار دُنیاوی اسباب کی قلت کے باوجود امن وامان کا دور دورہ شروع ہوگیا تو مغربی سورماؤں نے انگڑائی لی کہ یہ کیا ہو رہا ہے'' یہ تو شرع پیغمبر آشکارا ہو رہا ہے'' لہٰذا نائن الیون کا ڈراما رچا کر اور تین ہزار نفوس کی قربانی کر کے افغانستان پر حملہ کیا گیا۔ باطل طاقتیں قوتِ واحدہ بن کر اور اپنی لونڈی یو این او کا سہارا لے کر افغانستان پر ٹوٹ پڑیں۔ بارہ سال ہونے کو ہیں لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا کھربوں ڈالرز کی املاک تباہ کی گئیں۔ اسامہ کا بہانہ تراش کر ابھرتے ہوئے نظام خلافت پر وار کیا گیا۔ خطرہ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اگر اس نظام کو افغانستان کی سرزمین پر مہلت دی گئی تو پڑوس کے ملک پاکستان میں اس کے جراثیم پھیل جائیں گے جہاں سے مغرب کو افغانستان کی نسبت زیادہ خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس سلسلہ میں تین وجوہات بہت بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

1۔ پاکستان میں دینی تحریکیں علمی اور اجتہادی بنیادوں پر بہت کام کر چکی ہیں اور اگر وہاں پر نظام خلافت کی کرسی رکھی گئی تو مختلف شعبوں کو اسلامی قوانین کے مطابق ڈھالنا ممکن العمل ہو جائے گا کیونکہ یہاں پر ہر شعبہ کے متعلق بہت کچھ مواد موجود ہے۔ پاکستان میں سیاسی، معاشی اور معاشرتی شعبوں میں اسلامی روح کے مطابق نظام کے پورے ڈھانچے کو عملی شکل دی جاسکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان دراصل دو قومی نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا اور یہ دو قومی نظریہ نظریہ پاکستان ہی ہے۔ وہ ملک جو اسلام کی بنیاد پر بنا ہو ہر وقت مغرب کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ اور خصوصاً صہیونی قوتیں اس کو برداشت کرنے کی روادار کبھی نہیں ہوسکتیں ہم جانتے ہیں کہ مغرب پر خواہ امریکہ ہو یا برطانیہ، فرانس ہو یا یورپی یونین کے دیگر ممالک اصل قبضہ صہیونی یہودیوں اور ایوانجلیکلز کا ہے۔ لہٰذا افغانستان پر حملہ دراصل پاکستان میں مداخلت کے لیے ایک راہداری کھلوانے کے مترادف تھا۔ جہاں ٹھکانہ پا کر پاکستان کے خلاف اقدام کرنا مقصود تھا۔ ان بارہ سالوں کے دوران پاکستان کو خوفناک حد تک نقصان پہنچایا گیا۔ مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مغربی شیطانی قوتوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کی طاقت بہت بڑی ہے اور ہم بچشم سر دیکھ رہے ہیں کہ نہتے طالبان کے ہاتھوں حملہ آوروں کا بُرا حال ہو رہا ہے اور اب وہ نکل بھاگنے کے لیے کبھی خفیہ اور کبھی برملا طالبان سے معاملات طے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یاد رہے کہ 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ میں عرب ممالک (مصر، شام اردن) کے بہت بڑے حصے پر قبضہ کرنے کے بعد پیرس میں ایک فنکشن منعقد ہوا تھا جس میں اس وقت کے اسرائیلی وزیر اعظم نے برملا کہا تھا کہ عرب دُنیا میں اب ہمارے سامنے آنے کی سکت نہیں رہی، ہمیں جہاں سے خطرہ ہے وہ پاکستان ہے۔ دراصل اس کا اشارہ پاکستان کی آئیڈیالوجی اور اس کی مسلح افواج کی طرف تھا، کیونکہ اس وقت پاکستان کے ایٹمی قوت بننے کا کوئی اشارہ بھی موجود نہیں تھا۔

پاکستان کے متعلق تیسری اہم بات یہ ہے کہ وہ ایٹمی طاقت کا حامل واحد اسلامی ملک ہے اور مغرب نے پروپیگنڈا کے طور پر اسے اسلامی بم کا نام دے کر ماضی میں بہت بڑا پروپیگنڈا کیا تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر مغربی طاقتیں پاکستان کے نظریے، مسلح افواج اور ایٹمی صلاحیت کو ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

پاکستان کے اندر صدر ایوب سے لے کر مشرف تک سویلین حکمرانوں کے مقابل میں مارشل لائی طاقتیں سامنے لانے میں مغربی قوتوں کا ہاتھ تھا، کیونکہ سویلین کے مقابلے میں کسی فوجی ڈکٹیٹر سے اپنی بات منوانا مغرب کے لیے نسبتاً آسان تھا۔ بنگلہ دیش تو مغرب اور ہندوستان کا مشترکہ پراجیکٹ تھا ہی۔

اب تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کے اندر تخریب کاری، اس پر مغربی سرحدوں سے متعدد حملوں، جن میں سویلین اور عسکری دونوں اہداف شامل تھے، میں را، موساد اور امریکی سی آئی اے کا گٹھ جوڑ ملوث ہے۔ پاکستان کے اندر مختلف این جی اوز ایڈورکرز وغیرہ کا لیبل لگا کر بہت سارے تخریب کار اور دہشت گرد

داخل کیے گئے ہیں۔ کافی تباہی و بربادی کے بعد پاکستان کے حکمرانوں نے جرأت کا مظاہرہ کر کے نیٹو کے لیے سپلائی دو درجن سرحدی محافظوں کی شہادت کے بعد بند کردی ہے جو ایک احسن فیصلہ ہے۔ خدا کرے کہ حکمرانوں کو اس بندش کو جاری رکھنے کا حوصلہ ہو۔

مغرب خصوصاً امریکی میڈیا اور اکیڈمیاں، سیاستدانوں، دانشوروں اور نام نہاد انسانی حقوق کے علمبرداروں کا پورا پورا زور اس پر ہے کہ وہ اسلامی نظام کے خلاف پورے زور شور سے پروپیگنڈا مہم کو جاری رکھیں، کیونکہ اگر کہیں اسلامی خلافت کا احیا ہو گیا تو وہ مغرب کے لیے ایک بہت بڑا خطرہ ہوگا۔ مغربی ذرائع مسلسل کہے جا رہے ہیں کہ اسلامی نظام میں عورتوں کے حقوق اور بنیادی انسانی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق پامال ہوتے رہیں گے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام میں ان حقوق کو جتنا تحفظ دیا گیا ہے اس کا عشر عشیر بھی نام نہاد مغربی جمہوریت اور سیکولر نظام میں نہیں۔ یہ کون سا انسانی نظام ہے کہ مغرب اپنی بے پناہ طاقت کے ساتھ افغانستان جیسے کمزور اور بے وسائل ملک پر حملہ آور ہو کر وہاں تباہی و بربادی کی تاریخ رقم کر رہا ہے۔ کیا افغانی انسان نہیں۔ ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں۔ کیا عراقی انسان نہیں تھے۔ ان کے انسانی حقوق نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں چند ایک مغربی لیڈروں کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں تا کہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ اسلامی ممالک پر حملہ آوروں کے قبضے کا دوسرے ذیلی مقاصد کے حصول کے ساتھ ساتھ آخری اور اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمان ممالک میں کہیں حقیقی اسلام یعنی عدل و قسط پر مبنی اسلامی نظام پاؤں نہ جما سکے۔ ملاحظہ فرمائیں:

1۔ ڈیلی ٹیلی گراف برطانیہ کے 15 اپریل 2005ء میں ڈنمارک کی ملکہ مارگریٹ ثانی کا قول کچھ اس طرح ہے۔ ''آج کل ہمیں اسلام کے چیلنج کا سامنا ہے، عالمی سطح پر بھی اور علاقائی سطح پر بھی۔ یہ ایسا چیلنج ہے جسے ہم نے سنجیدگی کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ ہم نے اس معاملہ کو بہت عرصہ سے آزاد چھوڑا ہے کیونکہ ہم بہت برداشت والے اور سست رو واقع ہوئے ہیں۔ ہمیں اسلام کے خلاف اپنی دشمنی کو ظاہر کرنا چاہیے اور ہمیں بعض اوقات یہ خطرہ مول لینا چاہیے کہ ہم پر غیر خوشامدیوں والا لیبل لگ جائے کیونکہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے ضمن میں ہمیں کوئی (tolerance) رواداری نہیں دکھانی چاہیے۔''

2۔ پیٹرک جے بُچانا۔ اپنی تحریر (where the right went wrong) سینٹ مارٹن پریس 2004ء میں کہتا ہے ''وہ جنگ جس میں ہم عراق اور افغانستان میں کود چکے ہیں یہ ایک سول مذہبی جنگ ہے تا کہ یہ فیصلہ ہو جائے کہ (اب) اسلامی دُنیا پر کس کی حکمرانی ہوگی''

3۔ نیشنل ایسوسی ایشن آف ایوانجیلیکلز کے ریورنڈ رچرڈ سیزک نے 2003 میں پریس کو بیان دیا ''ایوانجیلیکلز نے سویٹ یونین کی جگہ (اب) اسلام کو رکھا ہے۔ مسلمان دور جدید کے فسادی ایمپائر کے مساوی ہو چکے ہیں''

4۔ برطانوی ہوم سیکرٹری چارلس کلارک نے 5 اکتوبر 2005ء کو ایک بیان میں کہا ''......تاہم خلافت کے احیاء پر کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ شرعی قوانین کے اجراء پر کوئی بات نہیں ہو سکتی، مرد وزن کے حقوق کی برابری کے معاملہ پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا...... (وغیرہ وغیرہ) (عابداللہ جان کی کتاب صفحہ 83) اس سلسلہ میں سابق امریکی صدر واکر بُش کے متعدد بیانات ریکارڈ پر ہیں جن میں اس نے مسلمان ممالک کے خلاف جنگ کو ''کروسیڈز'' کا نام دیا تھا یعنی یہ کہ یہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ ہے اور یہ مذہبی جنگیں ہی ہیں۔

مغرب پر مسلط قابض مختیار مطلق گروہوں نے ایک وسیع اور مضبوط پروپیگنڈے کے ذریعے اسلامی عقائد (fudamentals) اور کسی اسلامی اجتماعی نظام کو دہشت گردی کے ساتھ نتھی کر کے عوام الناس کو اس کے خلاف نہ صرف متنفر بلکہ اس سے خوف زدہ کر رکھا ہے۔

مغربی مطلق العنان گروہوں نے نام نہاد جمہوریت کے ذریعے عوام الناس کا جس طریقے سے استحصال کیا ہے اس کی ایک مثال یہ بلا مقصد جنگ ہے انہی عوام سے حاصل کردہ ٹیکسوں کی رقم سے یہ لڑائی لڑی جا رہی ہے۔ عوام کو ڈرایا جا رہا ہے کہ خلافت ایک ایسا تسلط ہے جو دُنیا پر حکمرانی کے لیے مسلط کی جا رہی ہے۔ ان کو اصل حقیقت جاننے نہیں دی جاتی تا کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والے اللہ کی حاکمیت کے سامنے گردن جھکائیں اور یہ ایک دینی ضرورت ہے کہ کُل اجتماعیت خلافت کی صورت میں اللہ کی مرضی کے تابع ہو۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت کے مطابق زندگی بسر کرے۔ خلافت کا اصل ہدف یہ ہے کہ زمین پر ایک ایسا نظام اجتماعی قائم کیا جائے جو اللہ کی مرضی کے مطابق ہو اور دُنیا سے انسان پر انسان کی خدائی ختم کر کے ایک منصفانہ نظام برپا کیا جائے۔ ایسا ایک نظام مغربی کارپوریٹ دُنیا اور اس کے اُوپر مطلق العنان (Totalitarian) حکمرانوں کے لیے خواہ وہ واشنگٹن میں ہیں، برطانیہ میں ہیں یا فرانس میں، ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ لہٰذا وہ بہانے بنا کر دُنیائے اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ مسلمان دُنیا کے متعدد ملکوں پر کٹھ پتلی حکمران ان ہی کے اشاروں پر چل رہے ہیں اور وہ اپنے اقتدار کے ساتھ ساتھ مغربی بے خدا قوتوں کے اس اہم مقصد یعنی خلافت کی راہ روکنے میں بھی ممد و معاون ثابت ہو رہے ہیں۔

مغربی طاقتوں کے پروپیگنڈے، ان کی خفیہ سازشیں اور اسلامی ملکوں پر قابض ان کے کارندوں نے مل کر ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ مسلمان ملکوں کے مسلمان کسی بُت کے آگے سر جھکانے کو تو شرک کا نام دیتے ہیں مگر ان کو ریاستی سطح پر خدائے مطلق کے احکام سے سرتابی، غیر اللہ کی حاکمیت اور قوانین کے اندر زندگی گزارنے کا عمل بالکل شرک معلوم نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذہبی سطح پر تو وہ مسلمان ہیں لیکن ''دینی'' سطح پر جہاں اجتماعی نظام کی بات ہے دراصل ایک غیر اسلامی زندگی گزاری جا رہی ہے۔ اور نام نہاد ''ماڈریٹ'' حکمران، دانشور اور سیکولر صحافی اور دوسرے سیکولر طبقات یہی اسلام چاہتے ہیں تا کہ ان کے مفادات محفوظ ہوں اور وہ مغربی آقاؤں کے ہاں قابل قبول ہوں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس پر پاکستان میں سیکولر اور مذہبی فکر والے طبقات کے درمیان نزاع برپا ہے۔ لہٰذا مغرب اپنے میڈیا کے ذریعے اسی فکر کی آبیاری کر رہا ہے اور دین کے اصل علمبرداروں اور کسی بھی تحریک کو فنڈا منڈلسٹ، بنیاد پرست اور دہشت گرد کا نام دے کر بدنام کیا جا رہا ہے، یہی کُل جھگڑا ہے جس نے افغانستان میں بربادی کی انتہا کر دی اور اب یہی کھیل پاکستان میں پاکستان کے اندر سیکولر عناصر کی مدد سے آگے بڑھایا جا رہا ہے۔

یہ مغرب کیوں افغانستان میں طالبان امارت سے خوفزدہ تھا۔ آئیں ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ تمام مسلمان ایک ''اُمت'' کے ارکان ہیں

اگر ایک مسلمان مغرب میں تکلیف میں ہو تو مشرق کے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس تکلیف کو محسوس کر کے اسے رفع کرنے میں اپنے بھائی کی مدد کرے۔ چنانچہ چیچنیا کے معاملے میں جبکہ وہاں کے مسلمان ظلم اور بربریت کا نشانہ بنائے جا رہے تھے تمام مسلمان ریاستیں خاموش تھیں ''ٹک ٹک کردم دم نہ کشیدم''۔ جبکہ افغانستان کے کمزور نہتے اور بے وسائل امارت کے ڈپٹی منسٹر برائے امور خارجہ ملا عبدالرحمٰن زاہد نے دُنیا کے مسلم حکمرانوں کو پکارا۔ ''روس کے ان مظالم، استبداد اور جرائم پر خاموشی کو توڑ دو اور چیچن مسلمانوں کے جائز حقوق کی حفاظت کے لیے ان کی مدد کرو'' (امپیک انٹرنیشنل فروری 2000ء)

طالبان کے اقتدار میں آنے کے بعد امریکہ نے طالبان پر پابندیاں لگانے کا سوچا تھا اور ساتھ ہی بل کلنٹن انتظامیہ مالی طور پر روس کی مدد کر رہی تھی تاکہ وہ چیچنیا میں نسل کشی کو جاری رکھ سکے۔ اس نے روس کو رات کی تاریکی میں آپریشن کرنے والے ہیلی کاپٹر بھی مہیا کئے تھے تاکہ وہ ''دہشت گردی'' پر قابو پا سکے۔

''طالبانائزیشن'' کی اصطلاح کو اتنا بدنام کیا گیا کہ وہ گالی بن گئی جبکہ طالبان کا کُل گناہ یہ تھا کہ انھوں نے بلا خوف و تردید اعلان کیا تھا ''کہ قرآن ہمارا دستور ہے'' یہی وہ بات تھی جو سیکولر اقدار پر تیشہ بن کر گرنے والی تھی۔ انھوں نے اسلامی امارت کی بنیاد رکھ کر دُنیا میں بے خدا سیکولر جمہوریت کو چیلنج کرنے کے گناہ کا ارتکاب کیا تھا، یہی وجہ تھی کہ بُش کو بار بار کہنا پڑا (They hate our way of life) وہ ہمارے کلچر سے نفرت کرتے ہیں۔

اسلام سے خوفزدہ عناصر نے طالبان کی بعض خامیوں کو بڑھا چڑھا کر اس طرح دُنیا کے سامنے پیش کیا کہ بقیہ دُنیا میں مسلمان یہ جرأت نہ کرسکیں کہ وہ متفق ہو کر بول اٹھیں کہ ہم ایک ایسی سوسائٹی تعمیر کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے مطابق زندگی گزار سکیں وہ اتنا نہ کر سکے تو خلافت یا امارت یا ایک عالمی اسلامی ریاست کے لیے آواز اٹھانا تو بہت دور کی بات تھی۔

پاکستانی سیکولر عناصر نے تو حد کر دی وہ دہشت گردی کے متعلق ہر وقت اپنی ناراضی کا اظہار اپنے طریقے کے مطابق کر دیتے ہیں جس کے ساتھ وہ مذہب اور ملاّ کو ملا کر بریکٹ کر دیتے ہیں۔ ان کو کبھی یہ توفیق نہیں ہوئی کہ وہ اس حقیقت کے متعلق بھی زبان کھولیں کہ دہشت گردی کی اصل اور بنیادی وجہ امریکہ کا اس خطے میں مسلح مداخلت ہے جس کے نتیجے میں دہشت گردی پیدا ہو گئی اور بڑھتی چلی گئی۔ اس دہشت گردی کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

① یقیناً ہر معاشرے میں انتہا پسند عناصر ہوتے ہیں اور مذہبی مزاج رکھنے والے اس سے مستثنٰی نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ایسے بھی لوگ ہیں جو مذہبی جذبہ کے تحت انتہائی اقدام سے بھی گریز نہیں کرتے اور دہشت گردی پر اُتر آتے ہیں۔ اس دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں یہ ان لوگوں کی اپنی سوچ ہوتی ہے جس کے زیر اثر وہ ان اقدامات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ پاکستان میں دہشت گردی کے جتنے واقعات ان دس بارہ سالوں میں ہو چکے ہیں ان میں اس قسم کی دہشت گردی بہت کم ہو گی اگر تو صحیح تجزیہ کیا جائے۔

② دوسری قسم کی دہشت گردی وہ ہے جو عمل کے ردِّعمل کے طور پر ظہور پذیر ہو چکی ہے۔ جب سے ہم نے امریکہ کی ناجائز جنگ کو اپنا کر اس آگ میں چھلانگ لگائی ہے اسی دن سے ہم ایک خوفناک ردِّعمل کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایک بزدل جرنیل نے جب امریکہ کی ایک ٹیلی فون کال پر اپنے تمام سٹارز اس کے قدموں میں رکھ دیئے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے امریکہ کی خاطر بہت سُوں کو نشانہ بنایا۔ سینکڑوں کی پکڑ دھکڑ کر کے امریکہ کے حوالہ کیا اور امریکہ کی خواہش اور اس کے منصوبہ کے مطابق اپنی مسلح افواج کو اپنے ہی شہریوں کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک شدید ردِّعمل پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہمارے شہری اور عسکری اہداف اس ردِّعمل کا شکار بنتے چلے گئے۔ ہم نے خود اپنے محبِ وطن شہریوں اور محبِ وطن فوج کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج پیدا کر دی۔ یہاں تک کہ حالات قابو سے باہر ہوتے چلے گئے۔ جن کے ماں باپ، بچے، عزیز و اقارب نشانہ بن گئے تو قدرتی طور پر ان کے بے بس پس ماندگان میں سے ایسے ضرور نکلے جنھوں نے انتقامی جذبہ کے تحت دہشت گردی اختیار کی۔ ہماری یہ پالیسی ڈکٹیٹر کے بعد بھی جاری رہی۔ اور ڈرون حملوں نے تو غضب کر دیا جس کے متعلق اب کوئی شک نہیں رہا کہ اس میں ہمارے حکمرانوں کی مرضی شامل ہے۔

③ تیسری قسم کی دہشت گردی وہ ہے جو بیرونی طاقتوں کے منصوبہ بندی کے مطابق بڑے پیمانے پر جاری رہی ہے۔ اور یہ دہشت گردی 80 فیصد سے بڑھ کر ہے جیسا کہ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔ پاکستان کو اس کی نظریاتی اور ایٹمی وجوہات پر ہدف بنایا گیا ہے۔ لہٰذا بیرونی طاقتیں خصوصاً امریکہ، اسرائیل اور بھارت نے مل کر دہشت گردی کی جو انڈر کور نیٹ ورک قائم کیئے وہ بہت منظم بھی تھے اور ان کی دہشت گردی نہایت تباہ کن بھی ثابت ہوئی۔ دہشت گردی کے ہر واقعہ کے بعد مغربی اور مقامی فروخت شدہ میڈیا کے ذریعے زور شور سے یہ پروپیگنڈا کرایا گیا کہ ''اسلامی شدت پسندوں نے یہ کام کیا اور طالبان نے ذمہ داری قبول کی'' کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی کہ اس تباہ کن دہشت گردی میں را، موساد اور امریکن سی آئی اے کا کتنا ہاتھ ہے؟ پختونوں کے خود ساختہ لیڈروں نے جن کی اکثریت سیکولر ہیں نے کبھی بھی یہ جرأت نہیں کی کہ یہ اعلان کرتے کہ ساری تباہی اس خطے میں امریکی اور مغربی طاقتوں کی مداخلت کا نتیجہ ہے۔ ان نام نہاد پختونوں نے ہر برائی کو اسلام اور مُلا کے ساتھ نتھی کر دیا۔ جب تین عشرے پہلے سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تھا تو انھوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا اور جب اس صدی کے شروع میں امریکہ بمعہ یورپ افغانستان پر حملہ آور ہو گیا تو انھوں نے اُسے بھی خوش آمدید کہا۔ وہ امریکہ ہی کی زبان میں بات کر رہے ہیں۔

ہماری بزدلی نے امریکہ کو اتنا دلیر کر دیا کہ ہمیں ہر طرف سے تباہ کرنے کے بعد اس نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ ہماری فوجی چوکیوں پر حملہ کر کے ہمیں آخری حد تک للکارا۔ ایبٹ آباد اور کراچی میں مہران پر حملہ نے تو ہمیں نہیں جگایا، بلکہ اس سے ان عناصر کو جو پہلے ہی سے ہماری مسلح افواج کے خلاف مغربی طاقتوں کی ایما پر پروپیگنڈا میں مصروف ہیں، مزید شہ پا کر انھوں نے اپنے زہریلے پروپیگنڈے کو اور تیز کر دیا۔ اب جبکہ 26 نومبر 2010ء کا واقعہ ہوا تو ہماری حکومت نے شدید عوامی دباؤ کے تحت کچھ جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب تک اس موقف پر استقلال دکھا سکتی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ ہماری سیاسی قیادت کھل کر بات کرے۔ اور امریکہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے یہاں سے نکلنے کے لیے کہے۔ امریکہ خود اس جنگ سے تباہی کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ اس کی معاشی صورت حال نہایت نازک ہے۔ اسے افغانستان سے

جو روزانہ لاشوں کے صندوق مل رہے ہیں اس سے ان کی پریشانی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ وہ اب مجبور ہے کہ وہاں سے نکل جائے۔ لہٰذا وہ طالبان کے ساتھ ہر ممکن طریقہ سے معاملات طے کرنا چاہتا ہے۔ پاکستانی لیڈر شپ کا اس سلسلے میں بہت اہم رول ہے اور امتحان بھی ہے۔ اب یہ ان پر ہے کہ وہ تاریخ میں اپنے لئے کیا مقام بنانا چاہتے ہیں ایک غلام کی حیثیت سے یا ایک آزاد قوم کی حیثیت سے۔

یہ جو ڈراؤنا خواب ہے کہ امریکی امداد کے بغیر ہم بھوکوں مر جائیں گے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں اپنے مالک حقیقی پر بھروسا نہیں ہم توکل علی اللہ کے ایمانی جذبہ پر کاربند نہیں یہ تو ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ ایک طرف ہم قرض اور بھیک مانگنے سے نہیں رُکتے اور دوسری طرف ہماری عیاشیوں کی کوئی حد نہیں۔ جیسا کہ خود وزیر خزانہ نے کہا ہے اس کا واحد علاج یہ ہے کہ حکومت غیر ضروری اخراجات کو کم سے کم رکھے۔ اگر وزیر اعظم اور صدر کے یومیہ خرچ (ایوان صدر اور ایوان وزیر اعظم) 40 لاکھ روپیہ سے بھی زیادہ ہے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنی تباہی کے خود ذمہ دار ہیں۔ نیز یہ وزراء کی فوج ظفر موج اور ممبران پارلیمنٹ کے ممبران کو کروڑوں کی شکل میں جو مراعات دی جا رہی ہیں ان کو مناسب سطح پر لا کر بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اگر حکمران خود ٹیکس نہیں دیتے، کرپشن میں لگے رہتے ہیں اور بدعنوان عناصر کو قانون کے پنجہ سے آزاد کرانے کی کوششیں کی جاتی رہیں تو ایسے میں حالات کیسے درست ہو سکتے ہیں؟ مغرب کے لیے اصل ہدف پاکستان نہیں ''اسلامی پاکستان ہے'' یا اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اصل ہدف نظریہ، فوج اور ایٹم بم ہے۔

مختصراً یہ کہ ہمیں بحیثیت ایک مسلمان قوم اپنے اصل مالک اور آقا کو راضی کرنے کی ضرورت ہے، خواہ امریکہ خفا ہو یا ملک کے سیکولر عناصر۔ ہم نے یہ ملک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک عہد پر حاصل کیا تھا کہ اے اللہ ہمیں ایک ٹکڑا زمین دے دے جہاں ہم تیرے قرآن اور تیرے رسولؐ کے فرامین کے مطابق ایک منصفانہ عادلانہ خدائی نظام قائم کر کے خود بھی تیرے حکم کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اجتماعیت کے اس نظام کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کے لیے اس ملک کو ایک ماڈل بنائیں گے اور یہی خلافت کی مطلوبہ شکل ہوگی جس کی بنیادیں اُن اصولوں پر رکھی جائیں گی جن پر خلافت راشدہ قائم ہوئی تھی لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شُد۔ اب یہ آخری موقع ہے ہمیں سنبھلنا ہے اور اپنا عہد پورا کر کے دکھانا ہے، اگر اب بھی ہم اس میں ناکام ہو جاتے ہیں اور اللہ سے بغاوت پر مبنی اجتماعیت میں آرام سے پاؤں پھیلا کر رہنا چاہتے ہیں تو کوئی طاقت ہمیں اغیار کا غلام بننے سے نہیں روک سکتی اور ہمارا حشر وہ ہوگا جو قرآن میں مذکور نافرمان قوتوں کا ہو چکا ہے ہمیں کوئی سیکولر جمہوریت غلامی کی اس طوق سے نجات نہیں دلا سکتی۔ یہ سیکولر جمہوریت دراصل سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حربہ ہے جس کے ذریعے عوام الناس کو بھیڑ بکری بنا کر ان پر حکمرانی کی جا رہی ہے۔ ہمارے دُنیاوی مسائل کا حل اور ہماری آخروی نجات دونوں کا تعلق صرف اسی بات کے ساتھ ہے کہ ہم اس ملک میں اللہ کی حکمرانی یعنی خلافت کو قائم کر لیں۔ 'ورنہ ہماری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں'۔

☆☆☆

بقیہ: قابل اعتراض کنسرٹس کے حامی......

ہی نہیں۔ اگر یہ بھی ہم سے چھن گیا تو پھر ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔ مغرب سے مرعوب ایک محدود طبقہ ہمیں ہمارے اس فخر سے محروم کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لیے میڈیا کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے جس کو روکنا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

حرف آخر:

میڈیا میں موجود عاشقان زرداری فورس کے سرگرم پیادوں کو میرا مشورہ ہے کہ کسی صاحب اقتدار کی محبت میں اس قدر اندھے مت ہو جاؤ کہ سچ اور جھوٹ کی تمیز بھلا بیٹھو اور دوسروں پر طنز کے تیر محض اس لیے چلانا شروع کر دو کیونکہ وہ تمہاری اور تمہارے دنیاوی آقاؤں کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے ہوں۔

(بشکریہ روزنامہ ''جنگ'')

☆☆☆

شمارہ فروری 2012

غلبہ و اقامتِ دین کی جدوجہد کا خُدی خواں
تنظیم اسلامی کی انقلابی دعوت کا ترجمان

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اُمت مسلمہ؟ .... ایوب بیگ مرزا
محبت الٰہی کا حقیقی معیار .... عتیق الرحمٰن صدیقی
نبی آخر الزماں ﷺ کا حلیہ مبارک .... حافظ محمد زاہد
شہادت فی سبیل اللہ: ضرورت، اہمیت اور فضائل .... پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
کلام اقبال: قرآن کے ترازو میں .... پروفیسر عبداللہ شاہین
ہمارے مسائل کا حل اور دجالی نظام کا مقابلہ .... محمد رشید عمر
موجودہ عیسائیت: دین مسیحؑ یا سینٹ پال کی تحریفات؟ .... وقار احمد

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ''بیانُ القرآن'' تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہا ہے

☆ صفحات: 96 ☆ قیمت: 25 روپے ☆ سالانہ زرتعاون (اندرون ملک) 250 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 3-042-35869501، email:maktaba@tanzeem.org

ہم سچے اُمتی کیونکر بن سکتے ہیں؟

محمد نذیر یٰسین

ربیع الاول کے مہینہ کو تمام مہینوں پر خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ اس مبارک مہینے میں سرور کائنات، محسن انسانیت، نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ الحمدللہ، ہم سب مسلمان ہیں اور اللہ کے محبوب نبی حضرت محمد ﷺ کی اُمت میں سے ہیں۔ یقیناً یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اُس نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا فرمایا ہے۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نہ صرف خاتم الانبیاء ہیں بلکہ تمام انبیاء و رُسل سے افضل بھی ہیں اور آپؐ کی اُمت بھی تمام اُمتوں سے افضل ہے۔ لیکن غور طلب سوال یہ ہے کہ آپؐ کی اُمت میں سے ہونا ہمارے لیے باعث شرف و فضیلت کیوں ہے؟

ہم جانتے ہیں کہ جب کسی کو بلند مرتبہ یا منصب حاصل ہوتا ہے تو اُس پر عائد ہونے والی ذمہ داریاں بھی بڑھ جاتی ہیں بلکہ درحقیقت کسی شخص کو بلند مرتبہ اُس کی بڑی ذمہ داریوں کی وجہ سے ہی ملا کرتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو جو بلند مرتبہ حاصل ہے، وہ اُن ذمہ داریوں کی وجہ سے ہی ہے جو آپؐ کے اُمتی ہونے کے ناطے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم (سورۃ الاعراف آیت 157) میں ہماری یہ ذمہ داریاں اور نبی کریم ﷺ سے ہمارے تعلق کی درج ذیل چار بنیادیں بیان کی گئی ہیں۔

1۔ آپ ﷺ پر ایمان لانا۔
2۔ آپ ﷺ کی عزت و تکریم کرنا۔
3۔ آپ ﷺ کی مدد و نصرت کرنا۔
4۔ آپ ﷺ پر نازل ہونے والے نور یعنی قرآن حکیم کی پیروی کرنا۔

الحمدللہ، ہم میں سے اکثر مسلمان ان میں سے پہلی دو ذمہ داریاں تو بہت حد تک ادا کر رہے ہیں تاہم تیسری اور چوتھی ذمہ داری کے متعلق بالکل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ تیسری کے متعلق تو ہم میں سے اکثر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ذمہ داری ہے کیا؟ آپؐ کی مدد و نصرت سے مراد ہے آپؐ کے لائے ہوئے دین حق کی مدد کرنا یعنی اسے لوگوں تک پہنچانا۔ اس فریضہ کو جہاد فی سبیل اللہ کا نام بھی دیا جاتا ہے اور جہاد اپنے نفس کے ساتھ بھی ہوتا ہے، مال کے ساتھ بھی اور جان کے ساتھ بھی۔ پس معلوم ہوا کہ آپؐ کی مدد و نصرت سے مراد آپؐ کے لائے ہوئے دین کو پوری دنیا تک پہنچانے اور اسے عملاً قائم و غالب کرنے کی اُسی طرح جدوجہد کرنا ہے جیسا کہ آپؐ کے صحابہ کرام ؓ نے کی تھی۔ چونکہ آپؐ کی نبوت و رسالت تا قیام قیامت اور پوری دنیا کے لیے ہے، لہٰذا پوری دنیا تک اللہ کے دین کا پیغام پہنچانا، اس پر عمل کر کے دکھانا اور اسے قائم و غالب کرنا اب آپؐ کی اُمت کی ذمہ داری ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے یہ ذمہ داری اپنے جاں نثار صحابہ کرام ؓ کے سپرد کی تھی، جنہوں نے اسے ادا کرنے کے لیے اپنا جان و مال سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ آج اللہ کا دین صحیح و سالم حالت میں ہم تک پہنچا ہے تو یہ صحابہ کرام ؓ اور اُن کے بعد آنے والوں کی جدوجہد و قربانیوں کا ہی ثمر ہے۔

کیا آج ہم اپنی یہ ذمہ داری ادا کر رہے ہیں؟ یقیناً نہیں۔ اگر ہم ایسا کر رہے ہوتے تو پوری دنیا میں ذلیل و رسوا نہ ہوتے بلکہ اپنے اسلاف کی مانند غالب و سربلند بھی ہوتے۔ پس سچا اُمتی بننے کے لیے ہمیں نہ صرف آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کی مکمل پیروی کرنا ہوگی بلکہ پوری دنیا تک آپ ﷺ کے دین کا پیغام پہنچانے کے لیے بھی کمر بستہ ہونا ہوگا۔ اُسوۂ نبی ﷺ پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آپؐ نے پہلے سرزمین عرب میں ایک اسلامی انقلاب کے لیے جدوجہد کی، اسے عملی طور پر برپا کر کے دکھایا اور اس انقلاب کو ایک مضبوط و مستحکم حالت میں اپنے صحابہ کرام ؓ کے سپرد کیا، جنہوں نے نور اسلام کو چار دانگ عالم میں پھیلا کر اسلام کا بول بالا کر دیا۔

آج دنیا میں ظلم، تاریکی اور جہالت کا دور دورہ ہے۔ آپؐ کی اُمت جسے از روئے قرآن لوگوں کی بھلائی، اُنہیں نیکی کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، آج خود ذلت و مسکنت کی بدترین حالت میں ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کا ایک بھی ملک ایسا نہیں جہاں اللہ کا دین پورے طور پر نافذ ہو اور اسے نظام اسلامی کے ایک رول ماڈل کے طور پر پیش کرتے ہوئے دنیا پر حجت قائم کی جاسکے۔

پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے، جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا مگر یہاں آج تک اسلام کا عادلانہ نظام نافذ نہیں ہو سکا، جس کی وجہ سے ہمارا وطن بے شمار داخلی و خارجی مسائل میں گھر چکا ہے۔ وطن عزیز میں سود، جوا فحاشی، بے حیائی اور عریانی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ سچائی، ایمان داری، ایفائے عہد اور حسن ظن اور حسن خلق ایسی دینی و اخلاقی اقدار کا دیوالیہ نکل چکا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے امیر اور غریب کے درمیان خلیج بڑھ رہی ہے۔ عام آدمی کے لیے باقی ضروریات زندگی تو کجا فقط دو وقت کی روٹی کما لینا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو چکا ہے۔ بیرونی طور پر ہمارے گرد گھیرا تنگ ہو چکا ہے۔ امریکا، بھارت اور اسرائیل کی مثلث ہمارے ملک کا وجود مٹانے کے درپے ہو چکی ہے۔ ان تمام اندرونی مسائل اور خارجی خطرات سے نمٹنے کا ایک ہی طریق ہے کہ ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کے دین کو اپنے ملک میں عملاً قائم و نافذ کر دیں، تاکہ نہ صرف ہمارا رب کریم ہم سے راضی ہو جائے بلکہ خلق خدا بھی سکھ کا سانس لے سکے۔ بفضلہٖ تعالیٰ پاکستان دنیا میں اسلام کے عادلانہ و منصفانہ نظام کا ایک عملی نمونہ بننے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے لیکن اس کے لیے ہمیں تن من دھن کے ساتھ اُسی طرح جدوجہد کرنا ہوگی جیسے صحابہ کرام ؓ اور اُن کے بعد آنے والے بزرگوں نے کی تھی۔

آیئے، پاکستان کو دنیا کے لیے اسلام نظام کی ایک کامیاب تجربہ گاہ و عملی نمونہ بنانے کے لیے ربیع الاول کے اس مبارک مہینے میں تنظیم اسلامی کے ساتھ شامل ہو جایئے، جو غلبۂ اسلام کے لیے اُسی طریقہ کار کے مطابق ایک طویل و صبر آزما جدوجہد کر رہی ہے جس پر چلتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے جزیرۃ العرب میں دنیا کا عظیم ترین انقلاب برپا کیا تھا۔

کالم آف دی ویک

قابل اعتراض کنسرٹس کے حامی اور عاشقان زرداری فورس کے پیادے

انصار عباسی

بلا سوچے سمجھے میڈیا میراثی کلچر کا اس قدر بڑا حمایتی بن گیا کہ گزشتہ ہفتے تعلیمی اداروں میں قابل اعتراض کنسرٹس (گانے بجانے کے پروگرام) پر پابندی کے متعلق پنجاب اسمبلی میں قرارداد کی منظوری کو اس انداز میں آڑے ہاتھوں لیا جیسا کہ کوئی بہت بڑا ظلم ہو گیا ہو۔ قرارداد (ق) لیگ کی سیمل کامران نے پیش کی۔ (ن) لیگ اور پی پی اراکین نے بھی اس کی حمایت کی مگر اس قرارداد کے منظور ہوتے ہی ٹی وی چینلز نے ایک شور برپا کر دیا اور ''قابل اعتراض کنسرٹس'' کی پابندی کو غیر قانونی اور لوگوں بالخصوص نوجوانوں کے حقوق کے خلاف گردانا۔ آناً فاناً میڈیا کی تنقید نے ایک مہم کا روپ اختیار کر لیا اور ہر سنائی جانے والی آواز پنجاب اسمبلی کے اس اقدام کو کوسنے لگی۔ نہ کسی نے قرارداد کو پڑھا نہ ''قابل اعتراض'' کے الفاظ پر غور کیا۔ سب ایک ہی بولی بول رہے تھے کہ یہ بڑا ظلم ہو گیا۔ گانے والے ایک ایک کر کے اپنا تجزیہ دے رہے تھے۔ میڈیا سرکس نے ایک ایسی ہیجان کی کیفیت پیدا کی کہ حکومت پنجاب نے اس قرارداد سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا جبکہ پیپلز پارٹی نے نئی قرارداد لانے کا اعلان کر دیا۔ قرارداد کو پیش کرنے والی خاتون محترمہ سیمل کامران کو لینے کے دینے پڑ گئے جبکہ کچھ ''علماء'' حضرات نے میوزیکل کنسرٹس کے بارے میں ایسے بیان داغ دیئے کہ ان کو سن اور پڑھ کر ہاتھ فوراً کانوں کی طرف اٹھ گئے۔ چند گھنٹوں کی یہ جنگ میراثی کلچر کے حامی جیت گئے۔ سچ گم ہو کر رہ گیا اور حقیقت چھپ گئی۔ جس معاشرے میں سوال اس بات پر اٹھانا چاہئے کہ موسیقی کی ایک اسلامی معاشرہ میں کس حد تک اجازت ہے، وہاں اعتراض اس بات پر کر دیا گیا کہ قابل اعتراض کنسرٹس پر پابندی کی قرارداد کیوں پیش کی گئی۔ مسلم لیگ (ن) کی حکومت پنجاب کی طرف سے اس قرارداد سے لاتعلقی حیران کن تھی تو عمران خان کی طرف سے اس قرارداد کے خلاف بات کرنا اُس سوچ کا مکمل تضاد ہے جس کا انہوں نے اپنی کتاب میں پرچار کیا۔ ایک اردو اخبار نے ایک ٹی وی چینل کو دیئے گئے انٹرویوز کا حوالہ دیتے ہوئے ایک ''معروف عالم دین'' سے کچھ اس طرح کا بیان منسوب کیا: ''مفتی'' صاحب کا فرمانا تھا کہ پنجاب اسمبلی نے اگر مطلقاً میوزک پر پابندی لگائی ہے کہ طلباء میوزیکل کنسرٹس نہیں دیکھ سکتے یہ غلط ہے۔ اسلام میں موسیقی حرام واضح نہیں۔ عہد رسول ﷺ میں صحابہ میوزک کا اہتمام کرتے رہے۔ حضرت عائشہ ؓ کو دکھاتے رہے۔ مسجد میں میوزک کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے۔

مفتی صاحب کا یہ بیان (جس طرح اخبار میں شائع ہوا) کم از کم مجھ سے ہضم نہیں ہو سکا۔ معلوم نہیں کسی عالم دین اور اسلامی اسکالر نے اس بیان پر کوئی تبصرہ کیوں نہیں کیا۔ یہ کن مثالوں کی بات کی جا رہی ہے اور ان مثالوں کے زور پر کس قسم کے میوزیکل کنسرٹس کو جائز قرار دینے کے فتوے دیئے جا رہے ہیں؟؟؟ آجکل کے گانوں اور کنسرٹس کو تمام تر بے ہودگیوں کے ساتھ اسلام اور نبی کریم ﷺ کی زندگی کا حوالہ دے کر کس طرح جائز بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ''کنے کنے جانا بلو دے گھر، لائن بناؤ ٹکٹ کٹاؤ'' کا دین اسلام کی مثالوں سے کیا تعلق۔ گانوں کے بول اور دوسرے اعتراضات اپنی جگہ، کنسرٹس میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کا ایک ساتھ ناچنے کا ہمارے دین اور ثقافت سے کیا تعلق؟؟؟ خدارا دین کو اتنا سستا مت بیچو۔ ٹی وی چینلز میں آنے کے شوق میں اللہ کی بات اور رسول ﷺ کی سنت کو توڑ مروڑ کر مت پیش کرو۔ ترمذی شریف کی ایک حدیث کے مطابق کئی دوسری علامات کے علاوہ جب گانے والیاں اور موسیقی کے آلات عام ہو جائیں گے تو نبی کی امت پر عذاب نازل ہوں گے۔ ہم پر پے در پے عذاب نازل ہو رہے ہیں کبھی زلزلہ تو کبھی سیلاب، کبھی طوفانی بارشیں تو کبھی ڈینگی اور جعلی ادویات کے ذریعے اموات۔ مگر کوئی سوچنے سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ فکر کا ہمارے پاس وقت نہیں۔ ہم سب کچھ میڈیا کی آنکھوں سے ہی دیکھتے ہیں، اسی کی سنتے ہیں اور جو میڈیا کہتا ہے اسی کی بولی بولنی شروع کر دیتے ہیں۔ ہم میڈیا والے بھی پیسہ کمانے کے چکر میں سب کچھ بھول گئے۔ ہمیں کوئی احساس نہیں کہ اس میڈیا سرکس کے ذریعے عوام کو کیا دیا جا رہا ہے۔ اخلاقی اقدار کو کس تیزی سے تباہ کیا جا رہا ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لے کر شیطانیت کو پھیلایا جا رہا ہے۔ کاش ہم میڈیا والے یہ بات سمجھ سکیں کہ آج بلا سوچے سمجھے جو کھیل ہم کھیل رہے ہیں اس کی ہم سے آخرت میں سخت جوابدہی ہوگی۔

سوال یہ اُٹھایا جاتا ہے کہ ''بے ہودگی'' اور ''قابل اعتراض'' ہونے کا پیمانہ کون طے کرے گا۔ اگر ہم مسلمان ہیں تو واضح رہے کہ حیاء ہمارے دین کا شعار اور پہچان ہے جبکہ بے ہودگی اور بے شرمی کے کاموں سے اسلام سخت ممانعت کرتا ہے۔ اسلامی طرز زندگی کی حدیں بہت پہلے طے ہو چکیں اور ان حدوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ اگر یہ حق عوامی نمائندوں اور اسمبلیوں کو حاصل نہیں تو یہ حق میڈیا کو بھی حاصل نہیں۔ میڈیا بھی وہ جو انٹرٹینمنٹ کے نام پر نیم عریاں ڈانس دکھاتا ہے، بے ہودہ گانے، قابل اعتراض اشتہارات اور فیشن شوز کے نام پر فحاشی و عریانی کو عام کر رہا ہے۔ ہم اپنے اور اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں کے لئے پسند نہیں کرتے کہ وہ قابل اعتراض کنسرٹس اور عام مخلوط گانے بجانے کے پروگراموں میں شرکت کریں یا فیشن شوز کے نام پر پھیلائی جانے والی فحاشی کا حصہ بنیں مگر دوسروں کی بیٹیوں اور بہنوں کو ایسے کاموں میں مشغول دکھا کر اسے خوب سراہتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے لوگ اس بات کو پسند کریں گے کہ اُن کی بہن، بیٹا یا بیٹی فیشن شوز کے ریمپ پر سینکڑوں لوگوں کی موجودگی میں عریاں لباس زیب تن کئے کیٹ واک کریں۔ کتنے لوگ اپنی بہن اور بیٹی کو ساتھ لے جا کر مخلوط کنسرٹس سنتے ہیں۔ جو کچھ ہم اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔ ہم پاکستانیوں کے پاس تو اب ماسوائے خاندانی نظام اور بچی کھچی شرم و حیاء کے علاوہ باقی کچھ بچا

(باقی صفحہ 13 پر)

to their own particular perspectives and local conditions in their specific parts of the world. The movements currently consist, in other words, of numerous sub-systems, lacking any effective connecting framework. Such sub-systems take many forms, from individual movements of all sizes, to collections of movements linked by such factors as common outlooks, common histories and common support for leaderships. This is not the place to attempt a detailed analysis or typology of such sub-systems, except to say that they come in all forms and sizes, overlap and are in constant states of flux according to various changing factors, most notably the political vicissitudes of the times we live in.

One other point that can be made about these sub-systems is that all are full of writers, commentators, analysts and scholars producing ideas and writings, and putting them out for public consumption and consideration; but unfortunately, most are reaching only limited audiences, and few are effectively engaging in any meaningful exchange of ideas with others in similar positions. The main reason for this is that the platforms on which such writings are published tend to be of limited perspective and reach; and the few that aspire to be something more usually fail because of the limitations of their resources, quality and management. What the Islamic movement lacks is an infrastructure for the circulation and exchange of ideas; and this absence is the greatest hindrance to the intellectual revolution that the movement needs to progress further.

The lack of an effective, movement-wide intellectual discourse through which scholars, thinkers and activists can genuinely debate issues of every kind, focusing as much on what we have in common as on the things on which we differ, is one of the major obstacles to the emergence of a genuinely global Islamic movement. The establishment of such a discourse is an essential first step toward realizing the unity of the Ummah and the Islamic movement that all Muslims instinctively recognize. Without it, affirmations of unity in theory, and appeals for unity in action, will remain little more than words in the wind.

(*Courtesy: "Crescent International"; slightly abridged for reasons of space*)

ضرورت رشتہ

☆ فورٹ عباس (بہاولنگر) میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 25 سال، تعلیم بی اے، سرکاری ادارے میں ملازمت کے لیے دینی مزاج کی حامل، باپردہ، دراز قد لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ رفیقہ تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0333-6314487

☆ بیٹی، عمر 29 سال، تعلیم ایم سی ایس، پرائیویٹ سکول میں ڈائریکٹر، خلع یافتہ کے لیے دیندار، اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی قید نہیں۔

برائے رابطہ: 0343-5260092

☆ فورٹ عباس (بہاولنگر) میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 24 سال، تعلیم ایف اے، کویت میں ملازم کے لیے دینی مزاج کی حامل لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔ برائے رابطہ: 0333-6315833

☆ لاہور میں رہائش پذیر صدیقی فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 21 سال، تعلیم بی ایس سی ہوم اکنامکس، صوم وصلوٰۃ اور شرعی پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل، اعلیٰ تعلیم یافتہ برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0300-8403658

☆ رفیق تنظیم اسلامی کو اپنی بیٹی، عمر 23 سال، تعلیم بی ایس سی / بی ایڈ (ایم اے جاری)، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند کے لیے لاہور سے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ اور برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0306-4057757

☆ بیٹی عمر 23 سال، تعلیم بی ایس (ایم اے) اسلامیات، قد پانچ فٹ، خوبصورت، خوب سیرت، پردے کی پابند کے لیے برسرروزگار دینی مزاج کے حامل ڈاکٹر / انجینئر / پوسٹ گریجویٹ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ لاہور اور اس کے گردونواح کے رہائشی قابل ترجیح ہوں گے۔

برائے رابطہ: 0333-4431402

☆ اِسلام آباد میں مقیم فیملی کو اپنی سلیقہ شعار اور نیک سیرت بیٹی، عمر تقریباً 28 سال، تعلیم ایم ایس سی کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0305-5043232

☆ لاہور میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 28 سال، تعلیم ایم ایس سی سٹیٹس کے لیے تعلیم یافتہ برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 0300-8842048، 042-37159735

☆ ملتان میں رہائش پذیر رفیق تنظیم اسلامی کو عقد ثانی کے لئے خوبرو دوشیزہ، دینی و دنیاوی تعلیم یافتہ کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ طلاق یافتہ یا بیوہ خاتون کے سرپرست بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔ برائے رابطہ: 0300-6349170

☆ اسلام آباد میں رہائش پذیر شیخ کشمیری فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 25 سال، تعلیم ایم اے انگلش، قد "5'4 کے لیے دینی مزاج کے حامل برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0314-9505233/051-5957100

☆ ملتان میں رہائش پذیر راجپوت فیملی کو اپنی خوبرو، دراز قد و اُمور خانہ داری میں ماہر بیٹی عمر 27 سال، تعلیم ایم اے ایجوکیشن کے لیے اُردو سپیکنگ فیملی سے خوش شکل، دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسرروزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ برائے رابطہ: 0300-6349170

UNITY OF THE UMMAH REQUIRES PRACTICAL REALISATION, AS WELL AS PIOUS WORDS

For many Muslims and Islamic activists around the world, in so many different places and fields of work, the unity of the Ummah is a basic premise of everything we do. At the same time, differences of understanding, approach and methodology are inevitable in a global Ummah of more than 1.5 billion people, living in very different circumstances and confronting very different challenges in various places around the world. This diversity is often regarded as a strength of the movement, but there is always a risk that debate and differences of opinion become the basis for disunity and discord that can weaken the movement and play into the hands of our enemies.

Such internal problems, resulting in disunity where there should be unity, have become almost endemic in the Ummah today, most notably in terms of sectarian conflict between Muslim communities of different schools of thought. Such sectarianism takes many forms, from the murderous terrorism seen in Iraq, Pakistan and some other countries in recent years, to obvious biases in how Muslims around the world perceive political and other issues. By this I mean that those who automatically sympathise with one side or another in political issues, based on their common following of some school of thought, rather than taking more balanced positions considering the political issues and realities on the ground, are as guilty of sectarianism as those who are more blatantly sectarian. And this is true even if the side they support happens to be in the right by other criteria; taking the correct position does not automatically legitimise the reasons for which that position is taken if those reasons are based on sectarian or similar considerations.

One thing that would help Muslims to see past such basic considerations would be an understanding of the Islamic movement as a historical phenomenon that operates on a timescale far longer than our own lives or those of our generation. Such a perspective enables us to see the Islamic movement as identical with the Ummah, with Muslims as part of a struggle to establish Islam on earth, however they may understand the process, from one of personal conduct to one of *da`wah*, social reform or political transformation. With this understanding, we can see the numerous sectarian and other conflicts that blight the Ummah as internal problems that we must address together rather than allowing such conflicts themselves to be viewed as permanent defining and dividing lines within the movement.

Yet few Muslims are able to see either the Ummah or the Islamic movement in these terms. Although we pay lip service to the concept of unity, our effective understandings are more limited. We all tend to take partial views of the Islamic movement, views that we may characterise as "groupist", in the same way that some Muslims overlay their faith in the unity of the Ummah with sectarian or nationalist attitudes. We have our own understanding of Islam and the Islamic movement, which we share with certain other Muslims, whom we may identify by our common school of thought, or our membership of or support for particular parts of the movement, such as the Jamaat-e-Islami or the Ikhwan al-Muslimeen. And then we make these understandings and perceived sub-sections of the Ummah into rigid and exclusive domains that we regard as the real Islamic movement, implicitly or explicitly dismissing others as misguided or worse. Such groupism is in fact as great a threat to the unity of the Ummah as sectarianism or nationalism.

One reason that we cannot, as an Ummah and a movement, rise above such limited perspectives, is that the Islamic movement lacks any common intellectual discourse, largely because of the absence of an institutional infrastructure to carry it. Instead, the movement consists of countless activists, groups and movements, operating separately and independently, and following different strategies, methods and movements according